کلیم آلِ عبا شاہد نقوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صراط و سلسبیل

تصنیف

کلیمِ آلِ عبا شاہد نقوی

ترتیب و تزئین

ادارۂ تقدیسِ قلم
پاکستان

اشاعت بہ اہتمام
انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن (پاکستان)
حسینیہ سجادیہ، علامہ رشید ترابی روڈ، نارتھ ناظم آباد، کراچی

دائرہ طباعت

نام کتاب	صراط و سلسبیل
تصنیف	کلیم آلِ عبا شاہد نقوی
ناشر	انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن پاکستان، کراچی،
ترتیب و تزئین	ادارہ تقدیسِ قلم پاکستان
موضوعات	حمد، نعت، قصائد، منقبتیں، نظمیں وغیرہ
تعداد صفحات	
کتابت	نور محمد بھٹی
تعاون	اسیر فیض آبادی، ساحر فیض آبادی،
سرورق	یداللہ حیدر
پریس	
تعداد اشاعت	
ہدیہ	

نذرِ عقیدت

برائے بارگاہِ ختم الانبیاء حبیبِ خدا

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کاش کوئی مصرعہ بارگاہِ رسالت میں شرفِ
قبولیت حاصل کرلے

شاہد نقوی

فہرست

گذارشات	صفحہ	۵		
حرفِ سپاس	"	۶		
التماس	"	۷		
آئینۂ مصنف	"	۸		
حجت الاسلام علامہ طالب جوہری	"	۹	تا	۱۵
کہیئے	"	۱۶		
تقریظ وحید الحسن ہاشمی	"	۱۷	تا	۲۱
حمد	"	۲۲	تا	۲۳
مدح سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلعم	"	۲۴	تا	۵۹
مدحِ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام	"	۶۰	تا	۹۶
مدحِ جنابِ سیدۂ خاتون جنت بنتِ رسول	"	۹۷	تا	۱۰۷
مدح جناب امام حسن علیہ السلام	"	۱۰۸	تا	۱۲۹
مدحِ امام حسینؑ اور کربلا	"	۱۳۰	تا	۲۲۴
مدح امام زین العابدین	"	۲۲۵	تا	۲۳۲
دیگر آئمہ علیہم السلام	"	۲۳۳	تا	۳۰۰

گذارشات

انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن پاکستان نے بہت سے ترقیاتی پروگرام کا منصوبہ بنایا ہے، جن میں سے کچھ پر عمل ہو رہا ہے اور کچھ چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر التوا کا شکار ہیں مگر ہمیں یقین ہے کہ برادران ملت کا تعاون جس طرح ہمیں حاصل ہے، اسی طرح حاصل رہا تو تمام منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں گے۔

جن منصوبوں پر کام ہو رہا ہے ان میں سرِ فہرست عوام کے لئے طبی سہولت کا منصوبہ ہے۔ اس سلسلہ میں ادارے نے ایک فری کلینک حسینیہ سجادیہ میں قائم کی ہے جس میں دو ہومیو پیتھک ڈاکٹر صاحبان اور دو یونانی اطبا حضرات اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں فری کلینک کی عمارت تکمیل کے آخری مرحلہ میں ہے۔

نادار خاندانوں کی بچیوں کی شادی کے جہیز اور دعوت کے سلسلہ میں بھی کافی پیش رفت ہوئی ہے۔ ملک کے مایہ ناز شعرا کے غیر مطبوعہ کلام کی اشاعت کے سلسلہ میں بھی کام ہو رہا ہے کلیم آلِ عبا شاہد نقوی صاحب کا ایک مجموعہ چند ماہ بیشتر ہی زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آچکا ہے اور زیرِ نظر کتاب صراط و سلسبیل اس سلسلہ کی دوسری کتاب ہے۔ نیز تمام آئمہ معصومین علیہم السلام کی ولادت اور شہادت کے موقع پر محافل اور مجالس فوراً بعد نماز مغربین منعقد ہوتی ہیں جن میں وطن کے مایہ ناز شعرا اور ذاکرین کرام شرکت فرماتے ہیں

جملہ قارئین سے التماس ہے کہ علاج معالجے کے سلسلہ میں اور اپنے مفید مشوروں سے نوازنے کے لئے رجوع فرمائیں۔

سید منتقاد حیدر اختر ہاشمی

جنرل سیکرٹری انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، حسینیہ سجادیہ علامہ رشید ترابی روڈ نارتھ ناظم آباد، کراچی۔

حرفِ سپاس

کتاب اپنے ہمہ جہت مرحلوں سے گزر کر تکمیل کی منزل میں پہنچی تو بے اختیار جی چاہا کہ اپنے ان محسنوں کا شکریہ ادا کروں جن کے بے پناہ تعاون نے میری ناکارگی کا پردہ رکھ لیا۔

مولینا ڈاکٹر محمد باقر زیدی صاحب، خطیب و پیش نماز حسینیہ سجادیہ جن کی تحریک نے اس تعمیر کا پہلا پتھر رکھا انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن اور اس کے وائس چیئرمین عالی جناب سردر حسین اور عالی جناب محسن کاظمی صاحب چیئرمین ادارہ جن کے پُرخلوص ایثار نے طباعت سے جلد بندی تک کا سارا بار اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا۔ نقاد حیدر سلمہٗ جنرل سیکرٹری ادارہ ہذا جنکی نگرانی میں یہ مرحلہ تکمیل کو پہنچا۔

برادران عزیز اسیر فیض آبادی اور ساحر فیض آبادی جن کی دن رات کی انتھک محنتوں نے کتابت، پروف ریڈنگ اور ترتیب کا ہفتخواں سر کیا برخوردار ید اللہ حیدر جن کے موقلم کی فنکارانہ جنبشوں نے سرورق کی تزئین کی۔ اور بالخصوص سرکار آیت اللہ علامہ طالب جوہری مدظلہٗ اور برادر محترم وحید الحسن ہاشمی جن کے تاثرات کی آئینہ بندی نے کتاب کی سطح کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

لاکھ لاکھ کوشش کی کہ مناسب الفاظ میسر آجائیں اور میں اپنے اس اخلاقی فرض سے سبکدوش ہو سکوں لیکن توبہ کیجئے جذبہ کبھی الفاظ کے حصار میں اسیر ہو سکا ہے ؎ حرف احساس کو زنجیر نہیں کر سکتے

یک لخت خیال آیا کہ کتاب تو ذکرِ اہلبیت سے متعلق ہے اور اس ذکر کی بقا و ارتقا کی ضمانت خود دعا جناب سیدہ کے تصرف باطن نے لے رکھی ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ان مخلص کارکنوں کی خدمت کا صلہ اس بارگاہِ عصمت سے نہ ملے اس خیال سے کچھ تسکین ہوئی اور بیساختہ زباں پر یہ دعا آگئی کہ

؎ شاہزادی ان غلاموں پر کرم کی اک نظر

شاھد نقوی

التماسِ سورۂ فاتحہ

برائے ایصالِ ثواب

آیت اللہ مولانا محمد مصطفیٰ جوہر اعلیٰ اللہ مقامہ

ملتمس

مولانا ڈاکٹر سید محمد باقر زیدی

خطیب و پیش نماز حسینیہ سجادیہ
نارتھ ناظم آباد کراچی

آئینہ مصنف

نام ——— سید شاہد حسین نقوی

تخلص ——— شاہد

تاریخ ولادت ——— ۱۱ر اپریل سنہ ۱۹۱۶ء

جائے پیدائش ——— قصبہ شکار پور ضلع بلند شہر بھارت

تعلیم ——— بی۔اے، منشی فاضل، ادیب فاضل

تصانیف

نفسِ مطمئین	مطبوعہ	۱۹۷۴ء	لاہور
بضعۃ الرسول	"	۱۹۷۸ء	کراچی
شریکۃ الحسین	"	۱۹۸۱ء	کراچی
والعصر	"	۱۹۸۷ء	کراچی
کرب جاوداں	"	۱۹۹۲ء	کراچی
صراط و سلسبیل	"	۱۹۹۲ء	کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حجت الاسلام، آیت اللہ حضرت علامہ طالب جوہری مدظلہ العالی

جناب شاہد نقوی شہر کراچی کے وہ معتبر اور مستند سخن سنج ہیں کہ برصغیر کے موجودہ مرثیہ نگاروں کی صفِ اول ان کے نام کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ مرثیہ گوئی اگرچہ شاہد نقوی کی وجہ شہرت ہے لیکن ان کی ذات کی مکمل پہچان نہیں ہے۔ اصناف کی درجہ بندی ہئیت کے اعتبار سے کی جائے یا موضوعات کے اعتبار سے، وہ جملہ اصنافِ سخن پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔

میں نے شاہد نقوی کے تعارف میں جان بوجھ کر شہر کراچی کا حوالہ دیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ عزیز حامد مدنی نے اپنے شعری مجموعے "دشتِ امکاں" کے دیباچے میں کراچی کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے " ایشیا کی ہوائی شاہراہ پر مرطوب فضاؤں کی چادروں میں لپٹا ہوا شہر کراچی" شاہد نقوی اسی شہر کراچی میں رہتے ہیں۔ لیکن انھوں نے نہ کراچی کی ہوا و فضا کا اثر قبول کیا اور نہ اس کی رطوبت کا۔ حد یہ ہے کہ ان کے جذبات کی بے پردگی اس بات کا اعلان ہے کہ وہ اپنے جذبوں کو ابہام کی چادر میں لپیٹنا بھی پسند نہیں کرتے۔

جغرافیہ افراد پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اقوام کے مجموعی مزاج پر بھی۔ افراد و اقوام کی یہی اثر پذیری انھیں الگ الگ ثقافتی خانوں میں تقسیم کرتی ہے۔ عرب کے بے آب و گیاہ ریگستانوں کا شاعر جو کچھ کہے گا وہ سراسر اس کلام سے مختلف ہوگا جو وادیٔ گنگ و جمن کے شاعروں کی تخلیق ہوگا۔ پہاڑی علاقوں کی شاعری میدانی علاقوں کی شاعری سے مختلف

ہوگی۔ مختلف اقوام کا ادبی مزاج اس کی مثالوں سے بھرا ہوا ہے۔ معلقات کے قصائد، حافظ و سعدی کی غزلیں اور تلسی داس کے دوہے اس کی واضح مثالیں ہیں۔

لیکن جن شعرا نے شعوری طور پر اپنے کلام کے عناصر کو ٹھیٹھ فطرت سے تالیف کیا ہے وہ جغرافیہ کے بھرپور اور مکمل اثر سے محفوظ رہے ہیں۔ جغرافیہ عادتوں کو بدلتا ہے فطرت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ زبان و لباس انسان کی عادت ہیں جنھیں جغرافیہ تبدیل کرتا رہا ہے لیکن ماں کی مامتا اور باپ کی شفقت فطرت ہیں جنھیں نہ جغرافیہ بدل سکا نہ وقت۔ لذت کام و دہن کے طریقے جغرافیے سے بدلتے رہتے ہیں لیکن بھوک جو فطرت ہے وہ چاند پر جانے کے باوجود تبدیل نہیں ہوئی۔ شاہد نقوی کی شاعری عادت کی نہیں فطرت کی شاعری ہے۔ وہ بنیادی طور پر فطرت کے عکاس ہیں اور رد عمل سے پیدا ہونے والے نتائج کے نقاد۔ ان کی اس فطری شاعری کے نمائندہ اشعار میں سے چند درج ذیل ہیں،

جی رہے ہیں اک انوکھے خواب کے عالم میں ہم
بند آنکھیں، لب کھلے، باتیں زیادہ، کام کم

ہر فضائے چیں بہ ابرو، ہر روش پر معترض
بے محابا نکتہ چینی، مستقل تلخئ غم

زیست کی اقدار اعلیٰ کا مسلسل مضحکہ
موت کی پُرہول وادی کی طرف بڑھتے قدم

اپنے سینوں پر سجائے تمغۂ جہل تمام
اپنے کاندھوں پر اٹھائے زعم بیجا کا علم

ایک مبہم گمرہی، اک مستقل آوارگی
وہم کی وادی میں سرگشتہ نظر کا پیچ و خم

جیسے دنیا کیلئے بس طوفان ہی طوفان ہے
اور اس طوفان کی زد پر ہیں ہم اور صرف ہم

انسانی فطرت پر وقت و زماں کے عوامل جو کچھ کارفرمائیاں کرتے رہتے ہیں۔ انھیں یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر حال اپنے ماضی کی نسبت سے منفرد اور اپنے مستقبل کی نسبت سے مختلف ہوتا ہے۔ اس انفراد و اختلاف کے سبب زمانے کی ایک مخصوص اکائی دوسری

زمانوں سے الگ پہچانی جاتی ہے۔ غالباً اربابِ حکمت و دانش کی اصطلاح میں اس اکائی کے امتیازی خدوخال ہی روحِ عصر کہلاتے ہیں وہ انسان بہت عمیق اور ذہین انسان ہے جو روحِ عصر کو دریافت کرلے۔ شاہد نقوی کی شاعری روحِ عصر کی دریافت کی شاعری ہے۔ جو ان کی ہر تخلیق سے عیاں ہوتی ہے لیکن اس اضافے کے ساتھ کہ وہ روحِ عصر میں بھی ابدی اور آفاقی قدروں کی تلاش میں رہتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

غموں کا مضحکہ شاہد علاج غم نہیں ہوتا ۔۔۔ مسلسل ہنس رہا ہوں درد پھر بھی کم نہیں ہوتا
محبت نام ہے روحوں کے ملکر سانس لینے کا ۔۔۔ فقط الفاظ سے عہدِ وفا محکم نہیں ہوتا

یا

کسی پر اعتبار اس صاحبِ محفل کو کیا آئے ۔۔۔ جہاں ہر آنے والا عذرِ رخصت ڈھونڈتا آئے
نہ ہو مانوس گر چشمِ مسافر حسنِ منزل سے ۔۔۔ تو منزل پر پہنچ کر بھی تجسس کم نہیں ہوتا

یا

اس کی محفل اور محفل میں کوئی اس کا نہیں ۔۔۔ ہائے وہ تنہا ہے جو عرفِ عام میں تنہا نہیں

یا

حیات صرف جنوں ہے نہ صرف ہشیاری ۔۔۔ غنودگی سی ہے مابین خواب و بیداری

شاہد نقوی کے مجموعی تخلیقات کے انبار پر تبصرہ کرنا یا جائزہ لینا ایک بالاستیعاب عمل ہے۔ جس کا میں اس لئے متحمل نہیں ہوں کہ بیشتر تحریریں کثرتِ کار کے سبب ازعجالاً لکھی جاتی ہیں لیکن اگر ان کی فنی اور فکری کاوشوں سے سرسری گزرا جائے تو یہ صریح ناانصافی ہوگی۔ ان مختصر سطروں میں شاہد نقوی کی مذہبی شاعری زیرِ بحث ہے۔ اور یہ بحث اس وقت تک چھڑ نہیں سکتی جب تک کہ اسے مرثیہ نگاری کے تناظر میں نہ دیکھا جائے۔

قدیم مرثیہ نگاروں نے ہر ممکن کوشش کی کہ مرثیہ ادبی صنف رہے خالص مذہبی نظم بن کر نہ رہ جائے ورنہ میر انیس کو کیا ضرورت تھی کہ وہ ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کی کوشش فرمائیں ۔ یہی سبب ہے کہ انیس و دبیر کو جہاں بھی موقع ملتا ہے وہاں زمین مرثیہ پر شعریت کے پھولوں کی تخم ریزی کرتے ہیں ۔ اگر مرثیے کو کربلا یا ممدوحین تک مخصوص کر دیا جائے اور انھیں میں منحصر کر دیا جائے تو کسی غیر متعلق شخص کو اس میں کوئی کشش محسوس نہ ہوگی ۔ لہٰذا متقدمین کو جہاں موقع ملا ہے شاعری کی ہے ۔ سراپا، گھوڑا تلوار، صبح کا سماں، دوپہر کی کیفیت، گرمی کی حالت، اور ایسے ہی دیگر مباحث پوری جزئیات کے ساتھ نظم کئے گئے ہیں ۔ شعرائے متقدمین کے فوراً بعد کے شعرا نے ساقی نامے کا بھی اضافہ کیا ہے جب کہ براہ راست مرثیے کے اصل موضوع سے اس کا رابطہ تلاش کرنا مشکل بلکہ محال ہے ۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ مرثیہ کا حلقۂ مطالعہ اور دائرۂ سماعت وسیع ہو اور اس کی افادیت میں اضافہ ہو ۔

مجھے خوشی ہے کہ آج کے دور میں مرثیے کو بڑے طاقتور، ژرف نگاہ، اور پڑھے لکھے شعرا ملے ہیں لیکن مجھے افسوس ہے کہ مرثیہ جو ہئیت اور موضوع کا مواج شعری سمندر تھا اسے مخصوص مذہبی موضوعات کی تنگنائے بنا دیا گیا ہے جس کے سبب اس کی حیثیت شعری مجروح ہوئی اور وہ منظوم مقالہ بن گیا ۔ اس تقصیر میں شاہد نقوی شریک قوی ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے بڑی چابکدستی سے یہ کام کیا ہے کہ اپنے مراثی میں بعض چہرے ایسے نظم کئے ہیں جن کا تعلق عام انسانی زندگی سے ہے ۔ اور بلا تفریق مذہب وملت ایک عام قاری کے لئے جذب وکشش رکھتے ہیں ۔ لیکن اس کے باوجود شعریت کی کمی کا احساس برقرار رہتا ہے اگرچہ مذکورہ مقامات پر خال خال عمدہ اور مناسب

شعری پیرایۂ اظہار بھی نظر آتا ہے ۔ اس کے برعکس ان کے قصائد شعریت کا بھرپور نمونہ ہیں ایسی شعریت جس میں جدیدیت بھی ہے اور معنویت بھی ۔ فلاسفۂ شرق و غرب کے افکار پڑھے جا سکتے ہیں ۔ انھیں کھنگالا اور نچوڑا جا سکتا ہے ۔ انھیں سمجھا اور پرکھا جا سکتا ہے ۔ فارابی اور ابن سینا کو سمجھا جا سکتا ہے ۔ میر باقر داماد اور صدرالدین شیرازی جیسے مشکل ایجاد حکماء کی نکتہ آفرینیوں سے لطف اٹھایا جا سکتا ہے لیکن ذہن آج کی بہت سی ابہام زدہ ، علامت خوردہ اور اغلاق پرور شاعری کے فہم سے قاصر ہے ۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ وہ بہت سی شاعری مہمل ہے بلکہ یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ اگر شاعری سے کسی قسم کا ابلاغ مقصود ہے تو جدید شاعری کا معتدبہ حصہ اس ابلاغی عمل سے محروم ہے ۔ شعری جدیدیت صرف نئی ترکیبوں کے ایجاد کر دینے کا نام نہیں ہے ۔

جدیدیت بے معنی تحریر کا عمل نہیں بلکہ شعری جدیدیت اپنے عہد کے تازہ بہ تازہ مسائل پر بات کرنے کا نام ہے ۔ جدیدیت سائنس اور ٹیکنالوجی کی حیرت ناک ارتقا سے پیدا ہونے والی انسانی الجھنوں پر بات کرنے کا نام ہے خواہ وہ الجھنیں نفسیاتی ہوں معاشرتی ہوں یا معاشیاتی ہوں یا کچھ اور ۔ اس اعتبار سے شاہد نقوی کی شاعری ہر زاویئے سے جدید شاعری ہے وہ ہئیت کے برتنے میں انتہائی روایت پسند اور قدامت پرست ہیں ۔ لیکن موضوعات کی تلاش اور پیشکش میں انتہائی جدید ہیں ۔

قصیدہ آج کے عہد میں ایک متروک صنفِ سخن ہے پچھلے زمانوں میں مذہبی عقیدت رکھنے والے شاعروں نے دولتِ عقبیٰ کی خاطر اپنے ممدوحین کے لئے اور درباری شعراء نے دولتِ دنیا کی خاطر اپنے بادشاہوں اور دیگر اکابرین کے لئے قصیدے لکھے تھے ۔ آج جب کہ مذہبی گرفت کمزور اور شاہان و اکابرین کی صف تقریباً مفقود ہو چکی ہے قصیدے

کی اہمیت بھی ختم ہو چکی ہے۔ لیکن قصیدوں کے زمانۂ عروج سے آج کے دورِ انحطاط تک اس طویل عرصے میں وہ لوگ بہر حال موجود رہے ہیں جو محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کی دہلیزِ علم و طہارت پر زندگی گزارنا اپنا مقصدِ تخلیق سمجھتے رہے ہیں یہی سبب ہے کہ اپنے زمانوں میں محشر اور عزیز نے نظم طباطبائی اور نجم آفندی نے، والد مرحوم مولانا محمد مصطفیٰ جوہر، حضرت جمیل مظہری اور پروفیسر اجتبیٰ رضوی زیبا ردولوی وغیرہم نے اس صنفِ سخن کو طاقِ نسیاں سے نکال کر جھاڑا پونچھا اور اپنے اپنے مزاج کے مطابق صیقل کی۔

آج کے تیز رفتار اور اختصار پسند دور میں شعرا نے نعت و منقبت کو قصیدہ کا نعم البدل قرار دے لیا ہے۔ شاہد نقوی کو اس صنفِ سخن سے کیا دلچسپی ہے مجھے نہیں معلوم لیکن مجھے اتنا معلوم ہے کہ جس طرح بعض شعرا نے غزل کو سلام سے بدل لیا تھا اسی طرح شاہد نقوی نے اپنے فطری نظم گوئی کے سارے جذبوں کو قصیدے کا پیراہن پہنا دیا ہے۔

قدیم قصائد اس بات کے آئینہ دار ہیں کہ تشبیب اور مدح میں کوئی ربط نہیں ہوتا اور گریز کے ذریعے ان میں ربط پیدا کیا جاتا ہے۔ شاہد نقوی نے شعوری طور پر قصائد کی ایسی تشبیبیں تحریر کی ہیں جن میں تشبیب اور مدح مربوط بلکہ گتھی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس صنفِ سخن کا احیا اور اس کی آرائش و زیبائش شاہد نقوی کا وہ مخصوص ادبی پہلو ہے جس میں وہ بہت حد تک منفرد نظر آتے ہیں البتہ میں ان کے قصائد میں فن کا ایک اہم جزو گم نہیں پاتا۔

ان چند سطروں کا یہ مفہوم نہیں کہ ان کا سارا تخلیقی عمل قصیدہ گوئی میں منحصر ہے۔ انھوں نے حمد و نعت و منقبت میں اپنی عقیدت اور اس سے زیادہ اپنی پختگی کے پھول کھلائے ہیں۔ لیکن قصیدہ چونکہ ان کے گلزار فن میں ایک قدآور سرو کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس کی الگ نشان دہی کی گئی۔

طالب جوہری

کہیے

یہ شرط ہے کہ نبیؐ کو اگر نبیؐ کہیے
تو جو نبیؐ نے علیؑ کو کہا وہی کہیے

زمانے بھر میں ہے جتنا بھی علم جس کو نصیب
اسے بقولِ نبیؐ صدقۂ علیؑ کہیے

وہ لمحہ جس میں تصور غدیر تک پہنچے
اس ایک لمحے کو معیارِ آگہی کہیے

تقریظ

سید وحید الحسن ہاشمی (لاہور)

انسان ایک حساس دل اور باشعور دماغ لیکر اس دنیا میں پیدا ہوا ہے زبان اس لئے تخلیق ہوئی ہے کہ کچھ کہے دل اس لئے بنایا گیا کہ کیا کہے اور عقل اس لئے ودیعت کی گئی ہے کہ کیسے کہے۔ یہ کیا اور کیسے کا تعلق صرف نثر ہی سے نہیں ہے بلکہ نظم کو پرکھنے کے لئے بھی یہی پیمانہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اچھی اور بری نظم یا اچھے اور برے شعر کا تعلق کچھ حسّیات کچھ وجدان اور کچھ افادیت سے ہے۔ شعر کا دائرہ جتنا وسیع اور کشادہ ہوگا اس کے اثر میں بھی اُتنی ہی کشادگی اور پھیلاؤ نظر آئے گا۔ اب یہ شاعر کا خود کام ہے کہ وہ اپنا شعر کن افراد کن قبیلوں اور کن معاشرتی اداروں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ وسیع القلبی اور وسیع النظری صرف اخلاقی حدود تک محدود نہیں بلکہ شعر کے سلسلے میں بھی یہ دونوں اوصاف بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

جب میں جناب شاہد نقوی کے کلام پر نظر کرتا ہوں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے دل میں ہر انسان کے لئے محبت اور پیار کا جذبہ موجود ہے۔ وہ انسان سے زیادہ انسانیت کے قدر دان ہیں۔ یہی سبب ہے کہ جن ہستیوں نے انسانیت کی بقا کے لئے اپنے آپ کو مٹا دیا شاہد نقوی انھیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ان کے ناموں کا ورد کرتے ہیں۔ انھیں احترام کی مسند پر بٹھاتے ہیں اور ان کی تاسّی کرنے کو نہ صرف وہ خود تیار رہتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی دعوت عمل دیتے ہیں تاکہ معاشرے سے بغض و کینہ اور حرص و ہوس کی

گرم بازاری ختم ہو جائے۔

جب انسان کا دل کشادہ ہوتا ہے تو نظر میں وسعت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ وسعتِ نظری کا فیض ہے کہ مابعد الطبیعاتی ماحول سے لیکر موجودہ معاشرے تک ہر تحریک ہر دور اور ہر نظریئے پر ان کی نگاہ کی روشنی پہنچ جاتی ہے۔ اس تمام زمانے میں جو بات ان کے مزاج کو تحریک دیتی ہے اُسے اپنی نظم یا اپنے شعر کا محور بنا لیتے ہیں۔ تخلیق کے تناظر میں جب وہ انسان کی حالت دیکھتے ہیں تو یوں اظہارِ حال کرتے ہیں

کنزِ مخفی کیا یہی تھا مقصدِ جلوہ گری ۔۔۔ اے مصور کیا یہی تصویر تھی مقصودِ کن
احسن تقویم اور اس درجہ بے بال و پری ۔۔۔ اشرف المخلوق اور اتنا زبوں حال و خراب
ٹھوکروں میں پس کے رہ جائے بشر کی سروری ۔۔۔ فاطرِ کونین کا شاید یہ منشا تو نہ تھا

اپنی شعری تخلیق کے اعتبار سے جناب شاہد نقوی جدید دور کے کہنہ مشق شاعر ہیں۔ انھوں نے غزل کو جدید رجحانات کے مطابق سنوارا۔ سلاموں میں تیکھا پن پیدا کیا۔ قصائد کو آسمان کی بلندی دینے کے بجائے زمین کی وسعت عطا کی۔ اور مرثیے کی دنیا میں ایک ایسی روش اختیار کی جس میں تاریخ کا حُسن بھی ہے مذہب کا رچاؤ بھی ہے معاشرے کی بات بھی ہے اور سب سے بڑھ کر ایک ایسی زبان دی ہے جسے ہر کہ و مہ سنتا سمجھتا اور اس کی تعریف بھی کرتا ہے۔

جناب شاہد نقوی کے کلام کی جس صنف پر بھی غور کیجئے تو اس میں ایک عجیب تیکھا پن ملے گا جسے آپ تیور یا لہجے کی شاعری کہہ لیجئے ظاہر ہے لہجے میں تو مٹھاس ہوتی ہے یا تردید و مناظرہ شاہد نقوی کے تیور میں یہ دونوں کیفیات

ملتی ہیں۔ مثلاً درج ذیل اشعار میری اس بات کی تصدیق کریں گے۔

اے سید البشر مرا ایماں تو آپ ہیں
اب آپ جس کو کہہ دیں میں اس کو خدا کہوں

(نعت)

پوچھتا ہے نقش کار دیں سے یہ عزم حسین
کتنا خوں درکار ہے رنگینیٔ تصویر کو

(سلام)

وہ مومن ہیں ابو طالب کہ جس سے یہ گِرہ جائیں
پھر اس سے بانیٔ اسلام کا گھر کیا نہیں ملتا

(سلام)

رک سکا حکم زباں بندی سے کب ذکرِ حسین
لب سِلے تو آنسوؤں سے داستاں لکھی گئی

(سلام)

قطعہ

فضا شناسی کا جن کو شعار آتا ہے
انھیں حسن کی بصیرت پہ پیار آتا ہے

علی کا شیر حکومت سے ڈر کے صلح کرے
تمھی بتاؤ تمھیں اعتبار آتا ہے

(تردید و مناظرہ)

شعور دہر کو بھی زیر دام کر لیتے
جو تھا دلیل نبوت وہ کام کر لیتے

برابری کا نبی سے اگر تھا اتنا شوق
کہیں سے وحی کا بھی انتظام کر لیتے

(تردید و مناظرہ)

جناب شاہد نقوی کی ایک اور اہم صفت ان کی عقیدت مندی ہے۔ یہ عقیدت خدا سے بھی ہو سکتی ہے اور اس کے محبوب بندوں سے بھی۔ خصوصیت سے محمدؐ و آلِ محمدؐ سے تو انھیں ایسا عشق ہے کہ وہ انھیں کے ذکر و فکر میں ہمہ وقت

سرگرداں رہتے ہیں۔ جناب ابوطالب سے لیکر امام مہدیؑ تک ان کے قلم عقیدت نے بہت بلند مدح کی ہے اور یہ بلندی اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک انسان کا دل صاف اور اس کی نیت میں خلوص نہ ہو۔ اس سلسلے میں کچھ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

جو کہتے ہیں کہ دنیا میں کہیں کوثر نہیں ملتا
انھیں کیا ایک بھی آلِ نبی کا گھر نہیں ملتا

لپک کر یوں حسنؑ آتے ہیں آغوشِ رسالت میں
کہ جیسے گود میں قرآں کے آیت مسکراتی ہے

ہے کربلا ضرورتِ شبیرؑ و مصطفےٰؐ
عباسؑ کربلا کی ضرورت کا نام ہے

صدیوں پہ تھے محیط جو اوصافِ انبیاءؑ
حق نے انھیں سمیٹ کے حیدرؑ بنا دیا

تصور میں ہے یثرب در دلب نعتِ پیمبرؐ ہے
یہیں پر وقت کی رفتار رک جائے تو بہتر ہے

جناب شاہد نقوی کو نظم نگاری پر بڑی قدرت حاصل ہے جہاں جہاں انھوں نے آئمہ اطہار یا انبیائے کرام کی مدح کی ہے وہ نہ قصیدے کا پیکر لئے ہوئے ہیں نہ منقبت کا بلکہ ان میں نظم کا وہی تسلسل وہی جزئیات نگاری وہی غیر مردف اشعار کی ترکیبیں اور آخر میں نتیجہ اخذ کرنے کی وہی صلاحیت پائی جاتی ہے صرف اس قدر ترمیم کی گئی ہے کہ قصائد کے اشعار میں کمی ہوگئی ہے اور مروجہ ارکان قصیدہ ختم ہوگئے ہیں اس اہم کمی کو ایک suspense کی فضا پیدا کر کے پورا کیا گیا ہے۔ مثلاً امام زمانہؑ کے ایک قصیدہ کا ابتدائی وسطی اور آخری حصہ اپنی گفتگو کی تائید میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

حصہ اول:

فکر کا سفر

وقت کے صحرا میں انساں کا سفر
نامکمل نارسا نا معتبر

منزلِ آخر نظر کی حد سے دور
اور پائے فکر مجبورِ سفر

اضطراری خود کلامی کے سوا ہم زباں کوئی نہ کوئی ہمسفر

حصہ دوم :

آخری منزل ہے شاید اس کے پار وہ جو اک پردہ سا آتا ہے نظر

یہ وہی غیبت کا پردہ تو نہیں دے گئے ہیں مصطفٰےؐ جس کی خبر

آخری حصہ :

ہاں مرے آقا مگر یہ عرض ہے ہو گا راہ کربلا سے بھی گزر

کیا کہوں گر پوچھ لے کوئی شہید کب تک آئیں گے امامِ منتظر

کب ڈھکے گا سر اٹھا کر دستِ عدل یا در زہرؑا سے پھر زینبؑ کا سر

میرے آقا ان سوالوں کا جواب میرے مولا ایک حرفِ مختصر

جناب شاہد نقوی کی شاعری کی عمر ساٹھ سال سے زائد ہے۔ اس عرصے میں انھوں نے تقریباً ایک لاکھ اشعار قلمبند کئے ہیں۔ ان کی کلیات میں ہر صنفِ سخن موجود ہے جدید مرثیہ نگاری کی خوشبو بھی۔ ہے غزلوں کا حسن بھی ہے قصیدوں کی چمک دمک بھی ہے سلاموں کا ارتقا بھی ہے قطعات کا ایجاز و اختصار بھی ہے نظموں کا نکھار بھی اور نوحوں کا کرب بھی اب یہ معاشرے کے افراد کی طبیعت پر منحصر ہے کہ انھیں کیا پسند ہے اور کیوں پسند ہے۔ لیکن ان کا کلام پڑھ کر کوئی مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

وصی الحسن

١٨-٥-١٩٩٢

شکستِ ساز

حیاتِ جہدِ مسلسل کے اس تلاطم میں　　قدم قدم پہ سہارا تلاش کرتی ہے
فضائے درد کی ظلمت میں روشنی کے لئے　　امید ایک ستارا تلاش کرتی ہے
خیالِ زیست کے یاس آفریں دھندلکوں سے　　تراشتا ہے وہ تارا خدا کی صورت میں
اور اس خیال کے تارے سے روشنی لیکر　　امید بڑھتی ہے اک رہنما کی صورت میں
خدا تمہارا خدا، فکر کی حدِ آخر　　تمہاری عقل کی پروازِ مضمحل کی سکت
غنودگی کا سا عالم نہ زندگی نہ اجل　　بس اک خلائے مسلسل کہیں بلند نہ پست
سکوں طراز اک آغوش جس کے دامن میں　　جہادِ زیست کے ماروں کو کچھ پناہ ملے
وہ اک درخت وہ دیوار جس کے سائے میں　　سکوں سے بیٹھ سکیں جب نہ کوئی راہ ملے
وہ ایک بوڑھا سا معبود اگلے وقتوں کا　　تھپک تھپک کے سلا دے جو غم کے ماروں کو
وہ سحر ساز جو تاریکیوں میں جادو سے　　چراغِ راہ بنا دے حسین تاروں کو
غرض تمہارا خدا خود تمہاری صنعت ہے　　جسے خود اپنی شکستوں سے تم نے چھینا ہے
دیا ہے نام جسے تم نے خالقِ کُل کا　　تمہاری کاوشِ ناکام کا پسینا ہے

خدا تراشنے والو! خدا کا خوف کرو
خدا مذاق نہیں ہے کہ جس سے کھیل سکیں

خدا وہ شیشۂ رنگیں نہیں تخیّل کا
کہ جس سے بادۂ تسکینِ دل انڈیل سکیں

خدا مذاقِ تمنا نہیں تمنا ہے
خدا ہے منزلِ آخر چراغِ راہ نہیں

بہ عزمِ خود وہ شکستِ طلب کا خالق ہے
غمِ شکستِ طلب کی پناہ گاہ نہیں

نہ کر تصورِ خالق شعورِ خلق کے بعد
اصول یہ ہے کہ خالق کے بعد خلقت ہے

توہمات کی تشکیل کو خدا نہ سمجھ
خدا سرابِ تخیّل نہیں حقیقت ہے

خدا ہے شمعِ طلب راہ کا غبار نہیں
خدا خدا ہے ترے ذہن کا خمار نہیں

چاکِ گریباں

ناچتے ہیں جابجا پُر ہول عفریتوں کے غول
قتل و غارت، موت کی چیخیں، صف آرائی، جنون

ہانپتی ہے پنجۂ وحشت میں پھنس کر زندگی
اے خدا، کب تک مسلسل خود کشی کرتا رہوں

آدمی ہنستا ہے خونِ آدمیت چوس کر
نشتروں سے ہو رہی ہے زندگی کی ناپ تول

پی رہے ہیں لطف لے لے کر رگِ انساں کا خوں
خوش نما بھیسوں میں خوں آشام قزاقوں کے غول

مسجدیں تعمیر ہوتی ہیں پئے تبلیغِ کفر
نوٹ ٹنکتے ہیں قبا و جُبّہ و دستار میں

اُڑ رہے ہیں چار جانب ذرّہ ہائے سیم و زر
خاک جھونکی جا رہی ہے دیدۂ بیدار میں

یہ فضائیں اور میلادِ نبی کا اہتمام
کتنا گہرا طنز ہے اسلام کے کردار پر

ذکرِ روحِ ہر دو عالم اور یہ بے روح لفظ
قصر اٹھایا جا رہا ہے ریت کی دیوار پر

ہر طرف سے کان میں آتی ہے آوازِ درود
جلسہ ہائے نعت و سیرت روز کا معمول ہیں

ڈاڑھیاں اشکوں سے تر ہیں مصطفیٰؐ کے عشق میں
خشک لب صلِّ علیٰ کے ورد میں مشغول ہیں

شاعرانِ خوش نوا و واعظانِ خوش بیاں
بستی بستی، قریہ قریہ، زمزمہ پرداز ہیں

کون جانے ان مقدس شاعروں کے دل کا حال
کتنے ان میں اہلِ دل ہیں کتنے صرف آواز ہیں

کتنے شاعر ہیں کہ ان جلسوں میں ہوتے ہیں شریک
صرف اپنے ذوقِ خوشگوئی کی تسکین کے لئے

کتنے واعظ ہیں کہ ٹھکراتی ہے جب دنیا انھیں
وقف کر دیتے ہیں خود کو خدمتِ دیں کے لئے

کچھ مقرر اپنے تیور میں لئے زعمِ کمال
چند شاعر جلوہ فرما نازِ محبوبی سے ہیں

ایک مہمانِ خصوصی ، ایک صدرِ محترم
اور جو باقی رہ گئے وہ لوگ معمولی سے ہیں

کیا یہی تعلیم دی تھی بانیٔ اسلام نے
کیا زمانے کو نخوت کا یہی پیغام ہے

بزمِ سرکارِ دو عالم اور یہ پست و بلند
کیا یہی دینِ محمدؐ ہے، یہی اسلام ہے

کاش ان خوش فہم دیوانوں کو سمجھائے کوئی
انحصارِ نعت تقریر و ترنم پر نہیں

ہے خلوصِ قلب اول شرطِ توصیفِ نبی
لفظ سے انساں بہک سکتا ہے پیغمبر نہیں

کاش کوئی جائزہ لے اس تضادِ فکر کا
دعوئ عشقِ نبی بھی ، پستیٔ کردار بھی

غیر ممکن ہے کہ اک انساں میں یکجا ہو سکیں
پستیٔ قول و عمل بھی ، دیدۂ بیدار بھی

کاش سمجھائے کوئی ان خود فریبوں کو یہ راز
دل نہ خم ہو گر تو اظہارِ عقیدت بھی فریب

یا تو احکامِ پیمبر سے یہ سرتابی غلط
ورنہ پیغمبر سے اظہارِ محبت بھی فریب

یہ بھی سوچا ہے کبھی اے واعظانِ خوش بیاں
خوشنما فقرے جوابِ یورشِ باطل نہیں

کچھ نہیں احساس ہے اے شاعرانِ خوشنوا
یہ حسیں الفاظ مہمل ہیں جو سوزِ دل نہیں

یہ بھی دیکھا ہے پلٹ کر لفظ کے سوداگرو
کتنے رخنے ہیں تمہاری فکر کی دیوار میں

یہ منافق روپ وہ بھی چند سکوں کے لئے
روح تم نے کتنی سستی بیچ دی بازار میں

کیا کبھی ہٹ کر بھی سوچا ہے مفادِ ذات سے
کیا اٹھا بھی آنکھ سے پردہ کبھی پندار کا

اب بھی آتی ہے کبھی کانوں میں فریادِ ضمیر
خون ہے سر پر تمہارے قوم کے کردار کا

اور تم اے طالبِ نام و نمودِ افرادِ قوم
تم نے خود ساغر میں اپنے غم کی تلخی گھول لی

دن بدن قیمت بڑھا کر اس بکاؤ مال کی
تم نے دولت خرچ کی اور اپنی ذلت مول لی

سن رہے ہو طنز میں ڈوبی ہوئی آوازِ دہر
اب بھی نادانو چھپالو دامنِ صد چاک کو

تم نے مذہب کو تماشے میں بدل کر رکھ دیا
حشر میں کیا منہ دکھاؤ گے رسولِ پاک کو

اے مسلمانو! تمہیں معلوم ہے مفہومِ کفر
اہلِ ایماں تم میں کوئی واقفِ ایماں بھی ہے

کر رہے ہو کھوکھلے الفاظ سے موجوں کا توڑ
ناخداؤ کچھ تمہیں اندازۂ طوفاں بھی ہے

آہنی دیوار ہے پر ہول موجوں کا جواب
رک نہیں سکتا یہ طوفاں سایۂ دیوار سے

خوشنما لفظوں سے تسخیرِ زباں ممکن نہیں
دل مگر ہوں گے مسخر عظمتِ کردار سے

اے ابھرتے رہنماؤ اے چمکتے رہبرو
عظمتِ کردار حاصل کی تو سمجھو جی گئے

ورنہ صبح و شام ذکرِ مصطفیٰ ؐ کے باوجود
کفر کے طوفاں میں تم بھی گئے ہم بھی گئے

قابِ قوسین

ایک دن فکر نے ایک نور افق پر دیکھا　　چشمِ تخیل نے معراج کا منظر دیکھا
روح بالیدہ ہوئی جسمِ پیمبرؐ دیکھا　　وہ بلندی تھی جہاں عرش کو جھک کر دیکھا

سطحِ کونین سے آتی ہوئی راہیں ٹھہریں
قابِ قوسین کی منزل پہ نگاہیں ٹھہریں

کچھ عجب کیف کا عالم تھا نگاہ و دل پر　　ہر طرف نور کی خنکی تھی بہ اندازِ سحر
تابشِ جلوہ سے جمتی تھی نہ ہٹتی تھی نظر　　نہ قدم آگے ہی بڑھتے تھے نہ رکتا تھا سفر

فکر پر خواب کا عالم تھا نہ بیداری تھی
مہر بر لب تھا مگر حمدِ خدا جاری تھی

دفعتاً نور پہ ظلمت کی ردا چھانے لگی　　مشکبو جھونکوں پہ مسموم ہوا چھانے لگی
سطحِ تسکیں پہ تزلزل کی فضا چھانے لگی　　ذہن پر وسوسہ و شک کی گھٹا چھانے لگی

کعبۂ دل میں بت آنے لگے دیواروں سے
بھر گیا صحنِ یقیں وہم کے انگاروں سے

گوشِ دل نے یہ سنی ایک سکوں پاش صدا　　تو تو کہتا تھا کہ محدود نہیں ربِ علیٰ!
قابِ قوسین کے اس فعل کا پھر مطلب کیا　　اس طرف جسمِ محمدؐ ہے ادھر ذاتِ خدا

دونوں نقطوں میں جو قوسین کی یہ دوری ہے
یہ ارادی ہے کہ طرفین کی مجبوری ہے

یہ جو ہے فاصلہ مابینِ نبیؐ و معبود
نہ پیمبرؐ کی رسالت نہ یہاں ربِّ ودود
کیا نہیں شاملِ کونین یہ ارضِ محدود
ملکیت کس کی ہے یہ کون یہاں ہے موجود

جتنی واجب سے ہے ممکن کی جدائی باقی
اپنی حد میں تو رسالت نہ خدائی باقی

پھر تو یہ دعویٰ کہ خالق نہیں محدود غلط
ذات اس کی کسی حد پر نہیں مسدود غلط
پھر محمدؐ کی رسالت کا بھی مقصود غلط
ساری کونین میں یہ نور ہے موجود غلط

قابِ قوسین تو پیمانہ ہے خود حد کے لئے
ایک نقطہ پئے رب، ایک محمدؐ کے لئے

یہ صدا سنتے ہی دھندلا سے گئے فکر و نظر
صحنِ ایقان میں چلنے لگی بادِ صرصر
شک تو ممکن ہی نہ تھا آیۂ قرآنی پر
سوچتا یہ تھا کہ اس عقدے کو کھولوں کیونکر

قابِ قوسین کوئی مادی دوری تو نہیں
اک عنایت ہے مگر غیر شعوری تو نہیں

کچھ نہ کچھ معنی و مفہوم تو ہیں اس کے ضرور
یہ الگ بات کہ ہیں میری رسائی سے وہ دور
لم بھی میرا پیمبرؐ تو نہیں ہے معذور
کیا عجب راہنمائی کریں خود میرے حضور

متشابہ کا جو پردہ مرے افکار پہ ہے
خود اٹھا دیں وہ بھروسہ مجھے سرکار پہ ہے

دل کو تسکیں جو ہوئی ہاتھ اٹھے بہرِ دعا — عرض کی رو کے کہ اے خاصۂ خاصانِ خدا
میرے ہادی، مرے سرکار، رسولِ دوسرا — وہم کے ناگوں نے گھیرا ہے یقیں کا رستا

ہے کہ ہر منزلِ حق راہ دکھا دیں مجھ کو
قابِ قوسین کا مفہوم بتا دیں مجھ کو

آئی آواز یہ شک تجھ کو سزاوار نہیں — تیرے ایماں کی بصیرت ابھی بیدار نہیں
"قابِ قوسین" کا مفہوم تو دشوار نہیں — ایک علامت ہے یہ رستہ نہیں دیوار نہیں

استعارہ ہے یہ اخلاق کا اور خلقت کا
ایک پیرایہ ہے اظہارِ عبودیت کا

میں نے یہ فاصلہ خود واجب ممکن میں رکھا — حق ادا کرنا تھا تسلیمِ عبودیت کا
شکرِ معبود عمل سے ہوا یہ فرض ادا — یعنی وہ روحِ عبادت وہ مکمل سجدہ

دیکھ کر میرے قدم کیوں تجھے حیرانی ہے
سوچ امکان کے کس نقطے پہ پیشانی ہے

یہ وہ نقطہ ہے جو ہے آخری حدِ امکاں — یک سرِ مو نہیں بڑھ سکتا یہاں سے انساں
ہے جبیں پر مری اس نقطۂ آخر کا نشاں — ختم ہوتی ہیں حدیں میری رسالت کی جہاں

"قابَ قوسین" سے کیوں ہے یہ تحیّر دل میں
کیا ابھرتا نہیں سجدے کا تصور دل میں

عالمِ سجدہ میں جب ہوتا ہے جسمِ انساں نظر آتے نہیں دو قوس بہ اندازِ کماں
پھر یہ تشبیہہ سمجھتا نہیں کون اے ناداں دشتِ وسواس و توہم میں ہے کیوں سرگرداں

اب تو سمجھا کہ خلا عالمِ امکاں میں نہیں
کون سا گوشۂ امکان مرے داماں میں نہیں

میں نے کی عرض کہ اے کاشفِ اسرارِ خفی "قابَ قوسین" کی تشریح تو آئینہ ہوئی
ابھی "او ادنیٰ" کا مفہوم مگر ہے باقی کیا کرم ہو جو الٹ دیجئے یہ پردہ بھی

قابَ قوسین کا مطلب تو کماں سے نکلا
یہ جو "کچھ کم" کا تصور ہے کہاں سے نکلا

اسی آواز نے یہ رمزِ خفی بھی کھولا اک صدا آئی کہ پھر تیرا تخیّل بھٹکا
ہیئتِ سجدہ کا انداز تصور میں تولا یہ جو قدموں کا ہے قوسین سے پہلے گوشہ

یہ تو اک سمت سے تکمیلِ کماں ہے ناداں
دوسرا گوشۂ تکمیل کہاں ہے ناداں

میری پیشانی تو ہے آخری نقطے پہ مکیں کیسے ممکن ہے کہ بڑھ جائے سرِ مو بھی جبیں
دوسرے گوشے کی تکمیل کا امکاں ہی نہیں ایک گوشے کی بھی دیکھی ہے کماں تو نے کہیں

یہ کماں میں جو کمی ہے یہی "او ادنیٰ" ہے
یہ جو ادنیٰ بدنی ہے یہی "او ادنیٰ" ہے

شکرِ معبود کہ حاصل ہوئی تنویر یقیں ذہن میں اب کوئی وسواس کوئی وہم نہیں
قابَ قوسین جسے کہتا ہے قرآن میں حرف اتنا ہے کہ خم ہو سکے بندے کی جبیں

ان کی معراج کہ معبود کی قربت دیکھی
میری معراج کہ معراج کی طلعت دیکھی

ناظرِ کُن

خلقتِ اول معبود رسولِ عربی
روحِ کُن، عالمِ امکاں کا وجودِ سببی

منبعِ نورِ سحر، قاطعِ ہر تیرہ شبی
جس کی امت میں اولوالعزم پیمبر وہ نبی

جس نے تخلیق کے سوتوں کو اُبلتے دیکھا
جس نے اک حرف کو کونین میں ڈھلتے دیکھا

ناظرِ نورِ ازل، وجہِ وجودِ کونین
محورِ حلقۂ تخلیقِ رسول الثقلین

انجم و شمس و قمر جس کے نقوشِ نعلین
تا ابد خالق و مخلوق میں ربطِ مابین

اوّلیں نور وہی، آخری پیغام وہی
حرفِ آغاز وہی، نقطۂ انجام وہی

فکر کی زلفِ پریشاں کو سنوارا جس نے
گرد آلودہ ضمیروں کو نکھارا جس نے

ذہن کی ڈوبتی نبضوں کو ابھارا جس نے
فرش پہ عرش کے جلووں کو اتارا جس نے

وہ نبی ملجہ نویں کی سند جس کو ملی
شکل "اتممت" میں انعام کی حد کو ملی

ہاشمی نسل کا خورشید نجیب الطرفین
پدرِ خیرِ نساء، آمنہ کا نور العین

لاڈلا بنتِ اسد کا، دلِ عمران کا چین
شمعِ کردارِ علیؑ، نورِ جبینِ حسنینؑ

آئینِ اُس کی نجابت کی قسم کھاتی ہیں

قلبِ طاہر کی حدیں تا بہ خلیل آتی ہیں

اس نے انسانوں کو تہذیبِ تلاوت بخشی
کر دیا تزکیۂ نفس، طہارت بخشی

ذہن کو علم دیا، فکر کو حکمت بخشی
پھر فرشتوں نے کئے سجدے وہ رفعت بخشی

اس نے آیات بھی تفہیم کے ساماں بھی دیئے

اس نے قرآں بھی دیئے بولتے قرآں بھی دیئے

اس نے ذراتِ بیاباں سے ابھارے خورشید
بن گیا بارشِ رحمت پئے کشتِ امید

روک دی اس نے غلاموں کے لہو کی وہ کشید
غیرتِ نفسِ بشر کرتی تھی جس کی تردید

جس نے ماحول کو اقدار سے مربوط کیا

جس نے تہذیب کی دیواروں کو مضبوط کیا

ایک امی خرد و علم کا دریا ٹھہرا
ایک ٹوٹا ہوا گھر محلوں سے اونچا ٹھہرا

فقر، اجلالِ شہنشاہی سے اعلیٰ ٹھہرا
جس کو جھٹلاتی تھی دنیا وہی سچا ٹھہرا

اس کی تردید خدایانِ خرد کر نہ سکے

آج تک اس کے کسی حرف کو رد کر نہ سکے

کیوں یہ حیرت ہے کہ سایہ نہ تھا پیغمبر کا
یہ تو اک امرِ جلی لازمۂ فطرت تھا

پرتوِ نور کے ٹکراؤ سے جسمِ اشیاء
دوسری سمت میں کر دیتا ہے سایہ پیدا

شمع کی لَو بھی جو سورج کے مقابل ہوگی
شمع کے جسم کے سائے میں وہ شامل ہوگی

جب مُسلّم ہے یہ سایہ یہ فطرت کا اصول
کہ بڑے نور کا ہو جاتا ہے چھوٹا معمول

اور فزوں دہر کے ہر نور سے ہے نورِ رسول
تو پھر اس نور کے سائے کا تجسس ہے فضول

عام فطرت جو ہے یاں بھی وہی نقشہ ہوگا
اس کا سایہ نہیں خورشید کا سایہ ہوگا

الغرض پیکرِ بے سایۂ محبوبِ خدا
معجزہ تھا کہ ہو مقصودِ رسالت پورا

یہ تو اعجاز تھا مختص بہ چشمِ بینا
وہ مگر جملہ عناصر کا بھی پیغمبر تھا

تا حدِ آخرِ امکاں تھی رسالت اس کی
فرضِ ہر پیکرِ موجود تھی بیعت اس کی

اس نے جب پیرہنِ پیکرِ خاکی پہنا
روحِ فطرت نے کیا سجدۂ تعظیم ادا

شجرِ گنگ نے کلمہ پڑھا، پتھر بولا
چاند ٹکڑے ہوا، ڈوبا ہوا سورج ابھرا

اس کو معبود نے کونین کی شاہی دے دی
خود عناصر نے سرِ عام گواہی دے دی

یہ عناصر کی گواہی تھی علامت اس کی
کہ ہے کُل عالمِ امکاں پہ حکومت اس کی

محورِ دائرۂ کُن ہے رسالت اس کی
اپنے انداز میں سب کرتے تھے بیعت اس کی

فرض تھا اہلِ فلک پر بھی کہ تعمیل کریں

بیعتِ احمدِ مختار ؐ کی تکمیل کریں

غالباً تھا یہی مقصودِ خداوندِ علی! کہ بلائے گئے تا عرش رسولِ دوسرا

وہ سفر اہلِ قلم نے جسے معراج لکھا اصل میں تکملۂ بیعتِ پیغمبر تھا

بندشیں ہٹ گئیں افلاک کے در باز ہوئے

آسماں والے بھی بیعت سے سرفراز ہوئے

اللہ اللہ۔ وہ معراجِ رسولِ اکرم ؐ رفعتیں کھاتی ہیں خود جس کی بلندی کی قسم

حدِ امکاں کے اس نقطے پہ واجب کے قدم حدِ واجب سے جہاں فاصلہ قوسین سے کم

ذکر میں اس کے قیاسات کہاں چلتے ہیں

یاں تو جبریلِ تصور کے بھی پر جلتے ہیں

کس بلندی پہ ہیں نعلینِ رسولِ دوسرا نہیں جس حد میں فرشتوں کی جبینیں بھی رسا

کس سے اب پوچھیں کہ اس لمحے نے کیا کیا دیکھا کون موجود تھا اللہ و پیمبر کے سوا

کس کو معلوم کہ کیا صورتِ حالات ہوئی

عبد و معبود میں کس لہجے میں کیا بات ہوئی

سب سے بہتر آفتاب

صبحِ نو کا نقطۂ اول ہے ظلمت کا شباب
ہے شبِ تیرہ کا سناٹا سفیرِ آفتاب

ہے عروجِ بتکدہ تمہیدِ تطہیرِ حرم
کفر اس منزل پہ بن جاتا ہے خود ایماں کا باب

ظلم اسی حد تک رہا کرتا ہے سرگرمِ عمل
قلبِ انساں میں ہو جب تک ظلم سہہ لینے کی تاب

پھر ابھرتا ہے شکستِ ضبط سے ردِّ عمل
پھر انہیں سکوں میں مل جاتا ہے ظالم کو جواب

جب بھی اندھیارے منڈلاتے ہیں فضائے دہر میں
اِک نہ اِک سورج اٹھا دیتا ہے چہرے سے نقاب

جب بھی ابھری ہے زمانے میں صدا ابلیس کی
مل گیا ہے ایک پیغمبر کے ہونٹوں سے جواب

شورشِ باطل کے طوفانِ بلا انگیز کا
ایک ٹوٹے سے سفینے نے کیا ہے احتساب

آتشِ نمرود جب الجھی ہے جسمِ خیر سے
کھل اٹھے ہیں سرخ انگاروں کے سینوں میں گلاب

دشتِ شر کرتا ہے غرقِ چاہ جس مظلوم کو
تاجِ مصر اس کو عطا کرتا ہے رحمت کا سحاب

جب بھی جھپٹی ہے سوئے اربابِ حق فرعونیت
ہو گئی ہے نیل کی پہنائیوں میں غرقِ آب

الغرض جب بھی اٹھا ہے اہرمن خنجر بکف
کر دیا ہے قوتِ یزداں نے بڑھ کر سدِّ باب

پھر یہ کس صورت سے ممکن تھا کہ صحرائے عرب
تیرگی کی حد کو پہنچے اور نہ نکلے آفتاب

اور یہ ارضِ عرب تو وہ زمینِ پاک تھی
اپنی نسبت سے کیا تھا جس کو حق نے انتخاب

جائے قبلہ جس پہ ابراہیمؑ نے قائم کیا
حکمِ حق سے سب سے پہلا عرشِ اعظم کا جواب

وہ عرب اہلبیت کے آہنی پنجے میں تھا
فطرتاً لازم تھا اِس طوفانِ شر کا سدِّباب

سرزمیں سب سے مقدس اور فضا سب سے خراب
حق عرب کا تھا کہ مانگے سب سے بہتر آفتاب

آفتاب ابھرا، عرب کی تیرگی مُرجھا گئی
رات نے دامن سمیٹا، صبح نے الٹی نقاب

مصطفیٰؐ آئے، نگاہِ فکر خیرہ ہو گئی
دل پکارے آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

کون لائے، کس طرح لائے، محمدؐ کا جواب
انتخاب اور وہ بھی چشمِ کبریا کا انتخاب

مدتوں چشمِ زمانہ پرورش پاتی رہی
تب ہوا ممکن کہ لائے اُس کے نظارے کی تاب

وہ حسیں تصویر جس کے ایک اک خط میں رواں
روحِ فن کی پختگی، فکرِ مصور کا شباب

جس کا نقشہ کھینچ کر صورت نگارِ کائنات
مدتوں دیکھا کیا پھر ڈال دی رخ پر نقاب

اور پھر اس کل کے ایک اک جزو سے تخلیق کی
ایک ایک تصویر اپنے اپنے رخ سے لاجواب

جب تمام اجزا کی تصویریں مکمل ہو گئیں
پا گیا تدوینِ نظمِ حسن کا ایک ایک باب

دستِ صانع ایک اک تصویر دکھلانے لگا
موقلم رکھ کر اٹھایا ہر مرقع سے نقاب

ذہنِ انساں میں مرتب ہو گئی تصویرِ حسن
ہو گئی چشمِ بشر مانوس ہر لفظِ کتاب

ہو چکی شائستۂ آداب جب چشمِ بشر
خود مصور نے اٹھا دی حسنِ کامل کی نقاب

دیدۂ بینا نے دیکھی فرد میں کل کائنات
فکرِ انساں کو ملی اک لفظ میں پوری کتاب

جس کا پہلا حرف ازل تھا حرفِ آخر تھا ابد
ابتدا جس کی عدم تھی انتہا روزِ حساب

ایک انساں جس میں کل انسانیت کی روح تھی
اک بشر جو تھا بشر کی ہر بلندی کا جواب

اک پیمبر حاملِ جملہ صفاتِ انبیاءؑ / اک صحیفہ جس کا ایک اک حرف تھا پوری کتاب

صفوتِ آدمؑ، جلالِ نوحؑ، ایقانِ خلیلؑ / دستِ موسیٰؑ کی تجلّی، دیدۂ یوسفؑ کا خواب

سطوتِ تختِ سلیمانؑ جس کے نقشِ پا پہ خم / سینۂ عیسیٰؑ کا دم جس کے نفس سے فیضیاب

جس کی گردِ راہ انجم، جس کے نقشِ پا قمر / جس کا پیکر نورِ کامل، جس کا سایہ آفتاب

جس کے قدموں کی ہر اک جنبش عناں گیرِ حیات / جس کی نظروں کی ہر اک گردش دلوں کا انقلاب

جس کے لب پر جو بھی لفظ آیا وہ قرآں بن گیا / جس کے منہ سے جو بھی نکلا بن گیا جزوِ کتاب

جس نے صحرا کے درندوں کو فرشتہ کر دیا / جس نے ویرانے کے ذروں سے ابھارے آفتاب

ایک اُمّی جس سے عالم کو ملا درسِ حیات / اک ضعیف انساں دیا جس نے تمدن کو شباب

اک مسافر جس کی گردِ راہ تھے ماہ و نجوم / ایک محور جس پہ رقصاں تھے جہاں کے انقلاب

اک نظر جس میں تھے ہم آہنگ مرگ و زندگی / ایک دل جس میں تھے ہم معنی سکون و اضطراب

اک مرقعہ جس کا حاصل تھا مصوّر کا قلم / ایک نغمہ جس کی قیمت تھی مغنی کا رباب

محورِ حیات

سینۂ شب چیر کر پھوٹی وہ سورج کی کرن
تیغِ یزداں نے کیا پھر چاک قلبِ اہرمن

خواب کی وادی میں گونجی سازِ بیداری کی لے
چونک اٹھی انگڑائی لے لے کر نگارانِ چمن

نرم کرنوں کے ٹھوکوں سے ہٹی شب کی ردا
کروٹیں لینے لگا صحرا کے ذروں کا بدن

یوں سمیٹا چرخ سے تاروں کو دستِ مہر نے
جیسے اپنی مانگ سے افشاں چھڑاتی ہو دلہن

پھر افق پر تھرتھرا اٹھی فصیلِ قصرِ شب
جس طرح دل میں کسی بے نام جذبے کی چبھن

زندگی کی نرم رَو میں ڈھل گئی موجِ نسیم
جسمِ گیتی نے اتارا رات کا کالا کفن

پھر نگارِ مہر نے گھر کے دریچے وا کئے
کھول دے مندر کے پٹ جیسے پجاری برہمن

الاماں کتنا اندھیرا تھا فضائے دہر میں
مسکرائی تھی نہ جب تک صبح کی پہلی کرن

تھی مگر محسوس ہوتی ہی نہ تھی نبضِ حیات
تھے مگر موجود ہی جیسے نہ تھے دشت و دمن

علمِ باری میں چھپا تھا جیسے ہر نقشِ وجود
پیکرِ کون و مکاں پر تھا عدم کا پیرہن

اور پھر الٹی مشیت نے نقابِ روئے مہر
جاگ اٹھی انگڑائی لیکر زندگی کی انجمن

کیا غلط ہے پھر اگر کہئے کہ نورِ آفتاب
ہے وجودی قوتوں کے دائرے کا برہمن

خاکیوں پر گردگارِ نور کا تارِ نظر — گوشِ ہستی میں مشیت کا حیات افزا سخن
درمیانِ خالق و مخلوق اک پیغامِ نور — اک وسیلہ بہرِ ترسیلِ عطائے ذوالمنن
یہ اشارہ ہے بشر کی چشمِ ظاہر کے لئے — صرف اک جلوے سے ہے سب رنگ و نورِ انجمن
دہر کو ظلمت نگل لے گر نہ نکلے آفتاب — زندگی پر موت چھا جائے نہ ہو گر یہ کرن
روز ہوتا ہے اعادہ اس طریقِ کار کا — روز دہراتی ہے دنیا زندگی کا یہ چلن
روز ملتا ہے یہ دربارِ مشیت سے سبق — زندگی کا رمز ہے صرف ایک جلوہ اک کرن
روز دہراتا ہے نظمِ دہر یہ درسِ حیات — صدقۂ خورشید ہے سب زندگی کا بانکپن
اور اس تکرارِ درسِ روز و شب کے باوجود — اک قدم آگے نہیں بڑھتی نگاہِ فکر و فن
یہ حقیقت ہے کہ جیسے اس زمیں کے واسطے — ہے بنائے زندگی سورج کی اک تنہا کرن
یوں ہی تھا مصطفیٰ ؐ کا نور بہرِ کائنات — ہے بنائے خلق، بنیادِ وجودِ انجمن
وجہ دار و گیرِ ہستی ہے ضیا اس نور کی — یہ نہ ہو تو ڈوب جائے زندگی کی ہر کرن
دشتِ ویرانِ عدم میں گم ہو بنیادِ وجود — آفتابِ چرخِ ہستی کو نگل جائے گہن
آتی جاتی سانس صدقہ ہے اسی کے نور کا — پرتوِ خورشید جیسے زندگی کی ہر کرن
گردشِ کون و مکاں ہے اسکی پلکوں کی جھپک — وہ نظر پھیرے تو ہر پوشاک بن جائے کفن
نور جس کا جسم بھی سائے کی زد سے ماورا — اور پھر بھی کائناتِ دہر پر سایہ فگن
اس کا سایہ ہی تو ہیں یہ چاند تارے کہکشاں — اس کا پرتو ہی تو ہے سورج کی ضوافشاں کرن

مصطفیٰ، مقصودِ کن، محبوبِ ربِ ذوالمنن
کبریا آثار، کعبہ منزلت ، قرآں سخن

اس کی مدحت کا قصیدہ یعنی کربِ نارسی
دشتِ آگاہی میں پائے فکرِ انساں کی تھکن

شعرِ تخئیلِ بشر کی کم سوادی پر خجل
لفظ تفہیمِ خرد کی بے بسی پر طعنہ زن

فکرِ شاعر کس سے مانگے لہجۂ قرآں کی بھیک
عبد کیونکر پا سکے معبود کا طرزِ سخن

اعترافِ عجز کر شاہدؔ نبی کی مدح میں
یہ ترا منصب نہیں ناداں دِوانہ نہ بن

شکستِ شب

جی رہے ہیں اک انوکھے خواب کے عالم میں ہم
بند آنکھیں، لب کھلے، باتیں زیادہ کام کم

ہر فضا پر چیں بہ ابرو، ہر روش پر معترض
بے محابا نکتہ چینی، مستقل تلخیٔ غم

زیست کی اقدارِ اعلیٰ کا مسلسل مضحکہ
موت کی پرہول وادی کی طرف بڑھتے قدم

اپنے سینوں پر سجائے تمغۂ جہلِ تمام
اپنے کاندھوں پر اٹھائے زعمِ بیجا کا علم

ایک پیہم گم رہی، اک مستقل آوارگی
وہم کی وادی میں سرگشتہ خرد کا پیچ و خم

جیسے دنیا کیا ہے بس طوفان ہی طوفان ہے
اور اس طوفان کی زد پر ہیں ہم اور صرف ہم

ساری دنیا ہی عدو ٹھہری تو کیا آدابِ زیست
اب نہ کوئی صاحبِ عزت نہ کوئی محترم

نا اُمیدی، تیرگی، بے دست و پائی کربِ مرگ
زندگی کہتے ہیں گر اس کو تو کیا جیتے ہیں ہم

وہم کی وادی میں گم ہے جذبۂ "لا تقنطو"
رحمتِ حق کے تصور سے بھی اب گھٹتا ہے دم

اب تو اس منزل پہ آ پہنچا کمالِ سوز و غم
اتفاقاً درد تھمتا ہے تو چونک اٹھتے ہیں ہم

یہ وہ منزل ہے ابھرتا ہے جہاں ردِّ عمل
اب بدلنے ہی کو ہے نظمِ جہانِ کیف و کم

انتہائے درد تمہیدِ مداوا بھی تو ہے
غلبۂ اصنام ہے عنوانِ تطہیرِ حرم

اس سے پہلے بھی تو آخر جانکنی کے کرب میں
دستِ قدرت سے ملا ہے دہر کو تریاقِ سم

وہ عرب کی بے کراں ظلمت قریبِ صبح دم — وہ طلوعِ مہرِ تاباں پیشِ دیوارِ حرم
وہ فضائے تیرہ پر نورِ محمدؐ کی ضیا — جیسے تنویرِ رخِ ہستی سرِ بامِ حرم
وہ جہالت کی فضا میں علم کی ضوباریاں — وہ جھلستی بستیوں پر بارشِ ابرِ کرم
پیاس میں اینٹھی زبانوں کو عطائے آبِ سرد — بھوک سے مرجھائے جسم و جاں پہ اتمامِ نعم
بہرِ چشمِ دیدہ ور اک بے کراں دریائے نور — کورِ باطن کی نگاہوں کے لئے بجلی کا خم

کتنی فکروں کا تعطّر آپؐ کے ہونٹوں کا خم — کتنے نبیوں کی جبینیں آپ کا نقشِ قدم
ایک پیکر کے جلو میں کتنی نسلوں کا وقار — ایک لمحے کے جگر میں کتنی صدیوں کا بھرم
ختم ہوتا ہے یہاں ہر گوشۂ مدحِ نبی — برتر از ہر ذی نفس بس خالقِ اکبر سے کم
اب اسے تجسیمِ کُن کہیئے کہ نورِ مصطفیٰؐ — ایک موجِ نور تھی ما بینِ ہستی و عدم
وہ زباں سے جو بھی کہہ دے آیۂ قرآں ہے — وہ اشارہ جس طرف کر دے وہی ٹھہرے حرم
وجہِ تکوینِ دو عالم جس کا نورِ اولیں — جس کے قدموں سے کھلے ابوابِ ہستی و عدم
معنئ لفظِ ازل، حرفِ سرِ آغازِ کُن — نازشِ عرشِ بریں، سرنامۂ لوح و قلم
حاصلِ تکوینِ عالم، محورِ تنظیمِ دہر — سجدۂ اول کا خالق کنزِ مخفی کا بھرم
ہاں بشر کہہ لو مگر معصوم تو سمجھو اسے — اس میں انسانی نقائص تو نہ ڈھونڈو کم سے کم
بت پرستی ہے نبی کا عشق بے سوزِ عمل — وہ خیالی ہوں کہ پتھر کے صنم آخر صنم

مباہلہ

مباہلے کو رسول اس حشم سے جاتے ہیں
کہ ہر نگاہ یہ کونین تھرتھراتے ہیں

نگاہ و لب کی صداقت کا امتحان ہے آج
محاذ پر حق و باطل صفیں بچھاتے ہیں

ادھر ہیں چند مسیحی مذبذب و محتاط
ادھر نبی ہیں کہ رہ رہ کے مسکراتے ہیں

دعا پہ فیصلہ ٹھہرا ہے باطل و حق کا
رسول روحِ صداقت سمیٹے لاتے ہیں

یہ اعتبار کی منزل ہے شک کا دخل کہاں
یہاں یقین کے انوار جگمگاتے ہیں

یہ انتخاب نہیں، اصل میں خدا و نبی
نگاہِ دہر کو کچھ آئینے دکھاتے ہیں

نفوس، عورتیں، فرزند، ان کو آنا تھا
زمانہ دیکھے نبی کس کو ساتھ لاتے ہیں

"نسائنا" میں کوئی زوجۂ رسول نہیں
بس ایک بیٹی کو حق کی سپر بناتے ہیں

نفوس میں نہ مصاحب کوئی نہ کوئی عزیز
وہی علیؑ جو ہمیشہ مدد کو آتے ہیں

یہ واقعہ کہ نواسے ہیں شبّر و شبیرؑ
مگر رسول کے فرزند بن کے آتے ہیں

یہ لوگ وہ ہیں چُنا ہے جنھیں مشیّت نے
خدا نے حکم دیا ہے رسول لاتے ہیں

یہ مدعا ہے کہ منظر نظر میں بس جائے
زباں کی بات تو کچھ لوگ بھول جاتے ہیں

پھر امتدادِ زمانہ سے یہ بھی ہوتا ہے
کہ لفظ اپنے معانی سے ہٹتے جاتے ہیں

اسی سبب سے مجسم مظاہرے یہ رسول
گواہ دیدۂ تاریخ کو بناتے ہیں

زمانہ دیکھ رہا ہے کہ کون ہیں صدیق — جنھیں خدا و نبی معتبر بناتے ہیں

اب اس کے بعد بھی جو لوگ بھول جائیں انھیں — فریب دیتے ہیں یا خود فریب کھاتے ہیں

جو ان یقیں کے مظاہر کو اب بھی جھٹلائیں — وہ خود نبی کی صداقت پہ حرف لاتے ہیں

جو ان کے دعوے کو باطل کہیں وہ خود باطل — کہ ان کے لب سے رسول اپنا حق جتلاتے ہیں

گواہ کرتے ہیں جو ایسے صادقوں سے طلب — وہ حق فروش ہیں قرآں پہ ظلم ڈھاتے ہیں

جو ان کے صدق کو شک کی نگاہ سے دیکھیں — خدا کی ذات پہ وہ تہمتیں لگاتے ہیں

ہم ایسے لوگوں کو اب کیا کہیں کہ اے شاہدؔ
حدیث کہتے ہیں قرآں کو بھول جاتے ہیں

نعت

مدحِ ممدوحِ خدا سہل ہے دشوار نہیں
صرف آساں ہے کہ پڑھ سکتا ہو قرآنِ مبیں

آستانِ شہِ لولاک پہ رکھ دی تھی جبیں
اب زمیں پر ہوں نہ جانے کہ سرِ عرش بریں

اک یمِ نور میں تحلیل ہوا جاتا ہوں
اب نہ جلوے ہیں نہ نظریں ہیں نہ روضہ نہ جبیں

دین، قرآن، خدا، سب یہ معمہ تھے مگر
ایک سچے نے کہا آگیا لوگوں کو یقیں

آئیے کرتے ہیں اب نعتِ نبی کا آغاز
آپ آواز ملاتے رہیں جبریلِ امین

وہی سر رشتۂ کونین، وہی محورِ کن
وہی قرآں، وہی کعبہ، وہی دنیا، وہی دیں

"قاب قوسین" کہ ہے بندہ و معبود کا فصل
صرف آساں ہے کہ خم ہو سکے بندے کی جبیں

کیسے ممکن ہے کہ ہو صاحبِ لولاک فنا
اور قائم رہیں دنیا میں یہ افلاک و زمیں

اک وہ خوش بخت جو بیٹھے تھے ترے قدموں میں
ایک ہم ہیں کہ تری دید کا امکاں ہی نہیں

اک مسلمان، محمدؐ کا اک ادنیٰ سا غلام
اور کچھ میرا تشخص، میری پہچان، نہیں

آپ جس راہ سے گذریں وہی منزل آثار
آپ جو بات بھی کہہ دیں وہی قرآنِ یقیں

کاش کچھ فقرِ محمدؐ سے سبق لیں شاہدؔ
یہ فقیہانِ زماں، دین کے سجادہ نشیں

نعت

اشارہ ہو محمدؐ کا تو بے جانوں میں جاں آئے   اٹھالیں سنگریزے بھی تو آوازِ اذاں آئے

امینِ عصر آئے ہادیٔ کون و مکاں آئے   پکاری بڑھ کے خود منزل وہ میرِ کارواں آئے

مکانِ لامکاں کی عظمتوں کے رازداں آئے   بُتو اب اَور گھر ڈھونڈو حرم کے پاسباں آئے

غلامانِ نبیؐ محشر میں قلبِ مطمئن لے کر   نگہ بر روئے احمدؐ، نعت برلب، مدح خواں آئے

حرا سے لو اٹھی یثرب کے آنگن میں ضیا پھیلی   کہاں روشن ہوئی تھی شمع پروانے کہاں آئے

فصاحت ختم قرآں پر نبوت ختم احمدؐ پر   وہی دعویٰ کرے اب جسکو قرآں کی زباں آئے

اٹھے خود اپنے جہلِ علم کی آگاہیاں لے کر   جو اک امی کی محفل میں بزعمِ امتحاں آئے

بشر کی شکل میں دیکھو تو ہم جیسے محمدؐ ہیں   الوہیت سے قد ناپو تو فصلِ دو کماں آئے

کوئی کہہ دے اُدھر سے صاحبِ لولاک گذرینگے   ادب سے فرشِ پا انداز بن کر کہکشاں آئے

تمہیں تو علم ہے آقا کہ یہ حسرت ہے شاہد کی
تمہارا نام بن کر نزع میں ہونٹوں پہ جاں آئے

نعت

وہ جو آیا تھا یہاں خوشیاں لٹانے کیلئے
کب ملی فرصت اسے خود مسکرانے کیلئے

ذکرِ پیغمبر بھی پیہم، ذوقِ عصیاں بھی مدام
روز ہم پڑھتے ہیں قرآں بھول جانے کیلئے

اک مجسم نور اترا تھا بشر کے روپ میں
دہر کی چشمِ بصیرت آزمانے کے لئے

کتنے ملتے ہیں نبی سے ہم عمل کی شکل میں
اک کسوٹی ہے یہ خود کو آزمانے کے لئے

سائے کی ظلمت سے اسکا رابطہ ہوتا ہی کیوں
وہ تو آیا تھا اندھیرے جگمگانے کے لئے

ہم مجاہد اپنے ہاتھوں میں لئے نفرت کے تیر
ڈھونڈتے ہیں سینۂ ایماں نشانے کے لئے

آگیا گلشن کا مالی چل پڑی بادِ بہار
پھول کب سے منتظر تھے مسکرانے کے لئے

پھر ضمیر اندر سے کہتا ہے کہ کچھ سچ بول دوں
پھر چلا ہوں دوستوں سے زخم کھانے کیلئے

سوچئے کتنی مؤثر کاوشیں درکار تھیں
بھیڑیوں کے غول کو انساں بنانے کے لئے

آرزو اپنی طرف سے تکملہ قسمت کے ہاتھ
کاش یثرب جاؤں پھر واپس نہ آنے کے لئے

وہ نظر پھیرے تو بجھ جائیں چراغِ مہر و ماہ
نور اسی کے در سے ملتا ہے زمانے کے لئے

روک لے پلکوں پہ شاہد اپنے آنسو روک لے
یہ نگینے ہیں نبی کے آستانے کے لئے

نعت

تصور میں ہے یثرب، وردِ لب نعتِ پیمبر ہے
یہیں پر وقت کی رفتار رک جائے تو بہتر ہے

فضائے حق شکن میں حسرتِ ذکرِ پیمبر ہے
زباں روکوں تو طوفاں ہے زباں کھولوں تو محشر ہے

عُروجِ تبکدہ تمہید ہے تعمیرِ کعبہ کی
کمالِ کفر میں بعثت پیمبر کی مقدر ہے

ذرا اے مدح خوانِ مصطفیٰؐ ایمان سے کہنا
کہ کیا دل میں بھی ہے تیرے وہی جو کچھ زباں پر ہے

محمدؐ کیا ہیں ان کی آل کیا ہے یوں سمجھ لیجئے
سمٹ آئیں تو چادر ہے بکھر جائیں تو کوثر ہے

نہ دے تحریصِ جنت اہلِ دل ہیں بے نیاز اس سے
گدازِ قلبِ مضطر خود جزائے قلبِ مضطر ہے

یہ جہلِ افروزِ دنیا مصطفیٰؐ کی قدر کیا جانے
یہ دنیا جس میں ہر بازی گرِ منطق پیمبر ہے

نبی کی پیروی واجب نبی کا عشق خوش بختی
عمل ایماں کا پیکر ہے خلوص ایماں کا جوہر ہے

نعت

کچھ بھی بطورِ نعتِ حبیبِ خدا کہوں
جی چاہتا رہے گا کچھ اس سے سوا کہوں

کہنا ہے کچھ انھیں سے بلائیں تو جا کہوں
یثرب کے جانے والو میں اب تم سے کیا کہوں

شاید یونہی تصورِ معراج اُبھر سکے
میں نقشِ کہکشاں کو ترا نقشِ پا کہوں

سننا ہی چاہتے ہو اگر نعتِ مصطفیٰؐ
قرآن لاؤ اپنی طرف سے میں کیا کہوں

اے جبرئیل آؤ بہم گفتگو کریں
تم ان کا ذکر چھیڑو میں صلِّ علیٰ کہوں

ہو کچھ تو فرق بندہ و خالق کی بات میں
محبوب وہ کہے میں حبیبِ خدا کہوں

کہنا پڑے قصیدۂ شاہانِ وقت اگر
شاہانِ وقت کو تیرے در کا گدا کہوں

کیا کیا کہوں انھیں مگر اے رعبِ آگہی
آواز ہی زباں سے نہ نکلے تو کیا کہوں

اے سید البشر مرا ایماں تو آپ ہیں
اب آپ جس کو کہدیں میں اس کو خدا کہوں

قرآں بھی ہم زباں تھا مرا جبرئیل بھی
شاہدؔ میں اپنی نعت کو کس کی عطا کہوں

Prof. SHARIB RUDAULVI COLLECTION

نعت

قدم اٹھیں تو پیمبر کی پیروی کے لئے
یہ انتہائے سعادت ہے آدمی کے لئے

کچھ اور وقت ملے مدحتِ نبیؐ کے لئے
اک اور دل مجھے اک اور زندگی کے لئے

سلام تجھ پہ نبوت کے نیّرِ تاباں
ترس رہی تھی نظر کب سے روشنی کے لئے

اگر فضائے دیارِ رسول میں گذرے
تو ایک لمحہ بھی کافی ہے زندگی کے لئے

نظر طلب ہے شریعت جنوں نواز نہیں
سلیقہ چاہیئے آدابِ بندگی کے لئے

سلام کرتی ہے انسانیت اسے جس نے
دعائیں مانگی ہیں انساں کی بہتری کے لئے

نظر نے آپ کی یوں فطرتوں کا رُخ بدلا
کہ موت بن گئی معراجِ زندگی کے لئے

نبی کا حکم، علیؑ کا اشارہ تھا ورنہ
پھرا ہے ڈوب کے سورج کبھی کسی کے لئے

اسی کے در سے ملی زندگی کو روحِ نشاط
جو ساری عمر ترستا رہا ہنسی کے لئے

ہر ایک بوذر و سلماں نہ بن سکا شاہدؔ
اگرچہ فیضِ نبیؐ عام تھا سبھی کے لئے

نعت

انھیں کی تو باتیں ہیں قرآن کیا ہے — وہ اب جس کو کہہ دیں وہ میرا خدا ہے

علیؑ جس کو لوگوں نے سمجھا خدا ہے — وہ خود کو غلامِ نبی کہہ رہا ہے

مدینے نہ جائیں کہ جنت نما ہے — ان اُجڑے ستاروں کی جھولی میں کیا ہے

خدا ہے یقیناً، یقیناً خدا ہے — کہ اس نے کہا یہ جو سچ بولتا ہے

کہوں نعتِ احمدؐ میں اس کے سوا کیا — کہ جو کچھ کہوں میں وہ اس سے سوا ہے

یہاں سے مدینہ، مدینہ سے جنت — مرے گھر سے جنت کی دوری ہی کیا ہے

محمدؐ تک آئے تو پہنچے خدا تک — محمدؐ سے بس دو کماں پر خدا ہے

وہ نورِ ازل بھی، وہ شمعِ ابد بھی — وہی خود خبر ہے، وہی مبتدا ہے

یہ پہچان ہے اہلِ بیتِ نبی کی — وہی آل ہے جو محمدؐ نما ہے

نگاہوں پہ بندش زبانوں پہ تالے — یہ اسلام ہے گر تو پھر کفر کیا ہے

معراج

اب کون جا کے بات کرے گا خدا کے ساتھ
وہ مصطفےٰؐ کی بات گئی مصطفےٰؐ کے ساتھ

ٹھہری ہوئی ہے گردشِ دوراں رکا ہے وقت
ہے روحِ عصر گرمِ سفر مصطفےٰؐ کے ساتھ

کتنے نبی ہیں اپنے مقاموں پہ منتظر
باتیں کریں گے آج رسولِ خدا کے ساتھ

ہیں یہ وہی تو جن کی رسالت کا ایک دن
کُل انبیاؑ نے عہد کیا تھا خدا کے ساتھ

رک جاؤ جبرئیل کہ سدرہ تک آ چکے
آگے نہ جا سکو گے حبیبِ خدا کے ساتھ

معراج کیا عروجِ بشر کی حدِ کمال
"قوسین" استعارۂ قربت خدا کے ساتھ

"قوسین" پر خدا کے سوا کس کو علم تھا
کیا اور کیسے بات ہوئی مصطفےٰؐ کے ساتھ

وہ تو یہ کہئے خود ہی خدا نے بتا دیا
لہجہ تھا مرتضیٰؑ کا تکلّم خدا کے ساتھ

معراج صرف رسمِ ملاقات ہی نہیں
یہ ابتدا کا ربط بھی ہے انتہا کے ساتھ

جس جا نہیں جبینِ ملائک بھی بار یاب
میرا نبی گیا ہے وہاں کفشِ پا کے ساتھ

کیا مضحکہ نہیں ہے یہ علمِ خدا کے ساتھ
دل ہے بتوں کے ساتھ زباں مصطفےٰؐ کے ساتھ

اللہ! ان عظیم غلاموں کا اوجِ بخت
جو سانس لے رہے تھے حبیبِ خدا کے ساتھ

یہ بھی ہے ایک گوشۂ مفہومِ بابِ علم
بس جو علیؑ کے ساتھ وہی مصطفےٰؐ کے ساتھ

اللہ! اتنا عشق رسولِ کریمؐ سے
اور اتنا بغض نفسِ رسولِ خداؐ کے ساتھ

ذاتِ رسولِ پاک ہے بنیادِ ہر کمال
ہر انتہا کا ربط ہے اس انتہا کے ساتھ

نعت

عظمتِ محمدؐ کو کون ہے جو پہچانے
آپ کا وصی سمجھے، آپ کا خدا جانے

کتنے خواب دیکھیں گے خود فریب دیوانے
اب تو بابِ کعبہ سے آ لگے ہیں بت خانے

ہے عطائے ساقی پر وہ یقیں رندوں کو
ہاتھ سے نہیں چھٹتے ٹوٹ کر بھی پیمانے

قربتِ پیمبرؐ نے اس قدر ضیا بخشی
شمع بن گئے خود بھی شمعِ حق کے پروانے

جانے کیسا ایماں ہے خاتم النبوت پر
روز بدلے جاتے ہیں دینِ حق کے پیمانے

کون دیکھ سکتا ہے اس کے نورِ مطلق کو
سایہ تک نہ دیکھا ہو جس کا چشمِ بینا نے

راگ الاپتے رہئے مصطفٰےؐ کی الفت کے
حکمِ مصطفٰےؐ کیا ہے آپ کی بلا جانے

آپ مل گئے ورنہ ہم بھٹکتے ہی رہتے
منزلیں بھی ان دیکھی راستے بھی انجانے

ریگِ گرم کی تہہ سے بحرِ آگہی ابھرا
دہر کو چمن بخشے اک مہیب صحرا نے

اس نے شمعِ روشن کی ذہن جگمگا اٹھے
مدتوں سے ویران تھے بے چراغ کاشانے

ذہن کے تصور کا نام مصطفٰےؐ رکھ کر
مدعیِ عرفاں ہیں چلتے پھرتے بت خانے

ذکر میں پیمبر کے خامشی ہی بہتر ہے
خون جب حقائق کا پی رہے ہوں افسانے

کتنے خوش نظر نکلے گر گئے جو قدموں پر
کتنے جہل پیکر تھے جو انہیں نہ پہچانے

عمران (ابو طالب)

خدا کا دین کفیلِ نبی کے گھر سے چلا
یہ آفتاب اسی مطلعِ سحر سے چلا

وہ دین پناہ اس اندازِ معتبر سے چلا
کہ پاؤں قطع کئے کفر نے تو سر سے چلا

جسے امینِ رموزِ خدا کہا جائے

اسی پہ کفر کا الزام کیا کہا جائے

جو اپنی گود میں پالے رسولِ اکرمؐ کو
خود اپنا غم جو سمجھتا ہو ان کے ہر غم کو

رسول اٹھتے ہوں خود جس کے خیر مقدم کو
وفا سلام کرے جس کے عزمِ محکم کو

فقیہہ اس کی شریعت کو فکرِ خام کہے

کہ جس کے کام کو خالق خود اپنا کام کہے

شعارِ زیست تھا حفظِ اصولِ کفر تھا وہ
لڑے خلافِ ظلوم و جہولِ کفر تھا وہ

پڑھا جو صیغۂ عقدِ رسولؐ کفر تھا وہ
خدا نے کرلیا جس کو قبول، کفر تھا وہ

عجیب ہے جس کو خدا کا نبی سلام کرے

اسی پہ مفتیٔ دیں مشقِ اتہام کرے

خطا بس اتنی کہ اقرارِ وحدتِ رب کا
عمل سے لاکھ کیا ہو زباں سے کیوں نہ کیا

کیا بھی ہو تو پھر اعلان اس کا کیوں نہ ہوا
خدا سے کیوں کہا چپکے سے ہم سے کیوں نہ کہا

نہ جانے کون سے قرآں میں یہ آیہ تھا

کہ دین ان کی شہادت کے زیرِ سایہ تھا

قصیدے نعتِ نبی میں کہے، کہے ہوں گے ۔۔۔ جفائے کفر کی رو میں بہے، بہے ہوں گے
نبی کے ساتھ مظالم سہے، سہے ہوں گے ۔۔۔ شکارِ ترکِ تعاون رہے، رہے ہوں گے

یہ کم گناہ ہے کلمہ زباں پہ لا نہ سکے
کہ لوگ اپنے ستم کا جواز پا نہ سکے

مگر وہ لوگ بھی مجبور ہی تھے، کیا کرتے ۔۔۔ چھپے تھے کوہِ گراں تیوروں میں عمراں کے
ہٹاتے کیسے انہیں نصرتِ محمدؐ سے ۔۔۔ یہ ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے

نہ صرف یہ کہ بہادر خود آپ تھے عمران
غضب تو یہ ہے کہ حیدرؑ کے باپ تھے عمران

ابوذر غفاری

میری نگاہوں میں ہیچ تاب و تبِ قیصری   میری طلب بوترابؓ میری نظر بوذری

میرے لئے بے کشش تابشِ لعل و گہر   میرے لئے دردِ سر خواجگی و قیصری

میری متاعِ سکوں صبر شکن شانِ صبر   میرے تبسم کا راز شکر بہ لب بے زری

میرا چراغِ حیات عکسِ رُخِ مصطفیٰؐ   میرے لئے شمعِ روح سوزِ دلِ حیدریؓ

میں کہ بظاہر فقیر، خسروِ اقلیمِ روح   صبر مرا تاجِ سر، فقر میری قیصری

فقر کہ جس کا مزاج عینِ رضائے الٰہ   فقر کہ جس کا نفاذ سنتِ پیغمبری

فقر کہ جس کا حضور لرزشِ بنیادِ کفر   فقر کہ جس کا غیاب حرص کی جولاں گری

فقر کہ جس کا طریق، ترکِ انا ترکِ ذات   فقر کہ جس کا سلوک قاطعِ ہر خود سری

فقر کہ جس کا شعور کاشفِ رمزِ حیات   فقر کہ جس کا شعار لذتِ غم پروری

فقر کہ جس کا وجود فطرتِ تسلیمِ عشق   فقر کہ جس کا شہود شانِ وفا گستری

فقر کہ جس کا قیام مرحلۂ لا الٰہ   فقر کہ جس کا قعود زخمِ دلِ آذری

فقر بہ فکر و نظر سوزِ دلِ صالحین   فقر بہ جہد و عمل، اسوۂ پیغمبری

فقر کہ جس کا صعود اوجِ دعائے خلیلؑ — فقر کہ جس کا نزول سلسلۂ رہبری

فقر بہ فکرِ رسا لہجۂ صلحِ حسنؑ — فقر بہ چشمِ بصیر جہدِ حسینؑ جری

فقر میں جلوہ نما ممکن و واجب کا ربط — فقر سے رشتہ بپا بندگی و داوری

فقر کا پہلا سبق ترکِ غمِ ماسوا — فقر کا پہلا قدم ترکِ رہِ خود گری

فقر سے بے رنگ و کیف غازۂ روئے خودی — فقر سے بے دست و پا نفس کی حیلہ گری

فقر شکستِ گماں، فقر کمالِ یقیں — فقرِ حسینؑ غیور فقر نگاہِ جری

فقر نبوت کا فخر فقر ولایت کا رمز — فقر نگاہِ رسول، فقر دلِ حیدریؑ

فقر کہ جس کے اصول فکرِ علیؑ سے ملے — اسوۂ بوذر میں تھی جن کی بجا آوری

مرضیِ آقا میں یوں ڈھل کے چلا اک غلام — اصل سے ملنے لگی عکس کی جلوہ گری

منزلِ عرفانِ فقر بن گئی بوذر کی ذات — فقر کو کہنے لگے اہلِ نظر بوذری

ہاں وہ ابوذر کہ تھی جس کی نظر حیدری — زلزلۂ قصرِ شاہ، زخمِ دلِ قیصری

کر نہ سکی جس کو زیر قوتِ سلطانِ وقت — کھا گئی جس سے شکست تاج کی خیرہ سری

جس کو نہ دہلا سکا دیوِ سیاست کا قہر — جس کو نہ بہلا سکی دولت و زر کی پری

تیغ کی زد پر کیا جس نے بلاغِ صریح — تاج سے ٹکرا گئی جس کی نگاہِ جری

جس کے قدم کی دھمک رعشۂ قلبِ امیر — جس کی جبیں کی شکن زخمِ سرِ خود سری

جس کی نظر سے شکست گردشِ دوراں کا زعم — جس کے عمل سے نڈھال وقت کی افسوں گری

جس کے تبسم کی گرد قصرِ شہی کا وقار — جس کے کفِ پا کی خاک تاجِ سرِ قیصری

جس کے تکلم سے نقش چہرۂ مکر و نفاق — جس کی خموشی میں دفن زعمِ سیاست گری

فیض سے جس کے بلند دامنِ صحرا کی گرد — ترک سے جس کے خجل شہر کی جلوہ گری

ہر نفس و ہر قدم ضرب بہ رُوئے نفاق — ہر محل و ہر محاذ تذکرۂ حیدری

خوف سے ناآشنا بیم و رجا سے بلند — جس تملق سے پاک قیدِ ہوس سے بری

محورِ فکر و نظر روز و شبِ بوترابؑ — مرکزِ جہد و عمل اسوۂ پیغمبری

حیدرِ کرار کا عکسِ جمال و جلال — فکر و نظر، قنبری عزم و عمل اشتری

صورتِ قلبِ حسنؑ تارکِ ہر نفعِ ذات — مثلِ نگاہِ حسینؑ جبر کی زد پہ جری

پیشِ ابوذر رہی ذاتِ علیؑ اس طرح — مل گئی اک موڑ پر بوذری و حیدری

دونوں کا مقصد بھی ایک دونوں کا مسلک بھی ایک — دونوں کے پیشِ نظر منزلِ حق برتری

دونوں مقاماتِ فقر فرقِ مراتب کے ساتھ — حق طلبی بوذری حق نگری حیدری

مصلحتِ وقت سے دونوں کا برحق گریز — سلطنتِ عصر کی دونوں سے بازی گری

مصلحتیں سو گئیں، سلطنتیں کھو گئیں — اب بھی ہے باقی مگر بوذری و حیدری

زندہ صداقت

گلہ ہوا ہے یہ مجھ سے نہ جانے کتنی بار　　کہ میں نے دل شکنی کو بنا لیا ہے شعار
گھما پھرا کے وہی ایک داستانِ علیؑ　　الٹ پلٹ کے وہی ذکرِ حیدرِ کرار
خدا کی حمد بجا، مصطفیٰؐ کی نعت درست　　نہ جانے ذکرِ علیؑ پر ہے کیوں مجھے اصرار
میں جانتا ہوں کہ یہ ذکر اختلافی ہے　　یہ نام کتنے دلوں کے لئے ہے تیغ کی دھار
مگر میں کیا کروں یہ نام خود ہی جب در آئے　　خدا کی بات ہو یا ذکرِ احمدِ مختار
تمہی بتاؤ کوئی گوشۂ حیاتِ رسولؐ　　نہ آئے جس میں کہیں نام حیدرِ کرار
وہ ذوالعشیرہ میں اعلانِ حق کی پہلی صدا　　وہ بزمِ طنز فروشاں میں اک عظیم اقرار
سوئے مدینہ خدا کے رسول کی ہجرت　　وہ زیرِ تیغوں کی خوابیدہ اک دلِ بیدار
وہ اک ستارہ اترتا ہوا کسی گھر میں　　نگاہِ قدس میں زوجِ بتولؑ کا معیار
حکایتِ شبِ معراج سرورِ کونین　　کسی کے لہجۂ مانوس میں وہ قول وقرار
محاذِ بدر پہ باطل سے پہلی آویزش　　وہ سب سے پہلے مجاہد کا سب سے پہلا وار
احد میں بھاگتے قدموں کی دل شکن آواز　　اور اک جری سرِ میداں رسولِ حق کا حصار
قریبِ قلعۂ خیبر وہ اک بھٹکی ہوئی فوج　　وہ اک رجل کا تجسس جو کر سکے نہ فرار

وہ ایک نعرۂ ہیبت اثر سرِ خندق
وہ دو جہاں کی عبادت سے بھی گراں اک وار

محاذِ صدق پہ صدقِ تمام کے ساتھی
مباہلے میں لگا بہ رسول کا معیار

علیؑ کے باپ کی شفقت یتیم بچے پر
علیؑ کے بچوں سے اللہ کے نبی کا پیار

ہے کوئی گوشہ جو ذکرِ علیؑ سے خالی ہو
ہے کوئی ذکر جو نامِ علیؑ نہ لے سو بار

بغیر تذکرۂ خدمتِ عظیمِ علیؑ
ابھر سکے تو ابھار و رسول کا کردار

علیؑ کا نام نہ لو پھر کرو بیانِ غدیر
بہت اگر ہے تمہیں نازِ قوتِ گفتار

کسے بنایا تھا مولیٰ رسولِ برحق نے
کسے کہا تھا مری طرح یہ بھی ہے مختار

کسے دکھایا تھا بازو پکڑ کے لوگوں کو
کسے وزیر کہا تھا نبی نے بالتکرار

وہ کس بلاغ کی تاکید تھی پیمبر کو
وہ کس پیام پہ دینِ رسول کا تھا مدار

اٹھی تھیں کس کے لئے وہ صدائیں بخٍ بخٍ کی
کیا تھا کیوں رخِ حیدرؑ کا ہر نظر نے حصار

مٹا سکوگے کہاں تک نوشتۂ تاریخ
بلند ہوگی کہاں تک شکوک کی دیوار

یہ مدعا ہے کہ فطرت کا رُخ بدل جائے
یہ چاہتے ہو کہ رک جائے وقت کی رفتار

بدل سکو تو بدل دو کتاب کے الفاظ
بھلا سکو تو بھلا دو رسول کی گفتار

خلافِ عقل ہے روشن صداقتوں سے گریز
طریقِ جہل ہے زندہ حقیقتوں سے فرار

اگر یہ جہلِ مرکب تمھیں پسند نہیں
اگر بنایا ہے قرآں کو زندگی کا شعار

اگر سمجھتے ہو صادق رسولِ اکرمؐ کو
تو ظلم ہے کسی قولِ رسولؐ سے انکار

کہو کہ وارثِ پیغمبرِ زماں ہیں علیؑ　　کہو کہ مرکزِ ایماں ہیں حیدرِ کرار
کہو کہ بعدِ نبی افضل البشر ہیں یہی　　کہو کہ ہیں یہی ہارونِ احمدِ مختار
کہو کہ مثلِ پیمبر علیؑ بھی مولا ہیں　　کہو کہ ان کی ولایت ہے دینِ حق کا مدار
کہو کہ ان کا عدو ہے عدو پیمبر کا　　کہو کہ ان کی ولا ہے رسولِ پاک سے پیار
کہو کہ یہ بھی ہیں بنیادِ خلق مثلِ نبی　　کہو کہ یہ بھی ہیں خالق کا اولیں شہکار
کہو مدینۂ علمِ نبی کا در ہیں علیؑ　　کہو کہ ان کے تصرف میں ہیں یمین و یسار
کہو کہ نفسِ پیمبر ہیں بوتراب ہیں یہ　　کہو کہ ان کی رضا ہے مشیّتِ غفار
کہو کہ قاسمِ نار و جناں ہے چشمِ علیؑ　　کہو کہ ساقئ کوثر ہیں حیدرِ کرار
کہو کہ آئینۂ جملہ انبیاء ہیں علیؑ　　کہو کہ ہیں یہ بہ قدرِ نظر خدا آثار

گر ان تمام حقائق کا اعتراف نہیں　　تو پھر فریب ہے صدقِ رسول کا اقرار
کرو نہ غصبِ حقوقِ علیؑ جو عادل ہو　　یہ ہے خدا سے بغاوت رسول کا انکار

(۲) دو ٹکڑے

(۱) ابتدائے آفرینش

ایک مبہم سی فضا شام و سحر سے بے نیاز
خامشی کی گود میں سوئی ہوئی دنیائے راز

عرش و کرسی و فلک دیوار و در کچھ بھی نہیں
جن و انسان و ملک برگ و شجر کچھ بھی نہیں

سوئی سوئی سی فضائیں کھوئی کھوئی سی ہوا
چار جانب نور کا دریا مگر ٹھہرا ہوا

جلوہ بار اک نورِ کامل کے سوا کوئی نہیں
زیبِ محفل جانِ محفل کے سوا کوئی نہیں

دفعتاً جنبش میں آیا موجۂ دریائے نور
خود نمائی کے لئے تڑپا تجلی کا وفور

حسن اٹھا انگڑائی لے کر مسکرانے کیلئے
بجلیاں تڑپیں کوئی خرمن جلانے کے لئے

بن گیا بنیادِ تکویں خود فروزی کا ظہور
نورِ کامل نے کیا اک نور پیدا خود سے دور

کی عطا اس نور کو تعلیمِ تقدیس و سجود
بخش کر اک ہستی دے کے احساسِ وجود

سوچ کر پھر یہ کہ اضمحلال دل پر چھا نہ جائے
ہم نوا کوئی نہیں تنہائی سے گھبرا نہ جائے

خود اسی کے نور سے اک ہم نوا پیدا کیا
جلوۂ نا آشنا کا آشنا پیدا کیا

گو بظاہر خادم و مخدوم بن کر رہ گئے
دونوں ٹکڑے لازم و ملزوم بن کر رہ گئے

بعد اک مدت کے جب تکوینِ عالم ہو چکی
اسکو دنیا مصطفیٰؐ کہنے لگی اس کو علیؑ

"حجابِ حرم" (۲)

خانۂ کعبہ غلافِ شب میں ہے لپٹا ہوا
ایک مخدومہ ہیں محوِ طوف و مصروفِ دعا

دفعتاً گھبرا کے جاتی ہے نظر افلاک پر
درد کی شدت بٹھا دیتی ہے فرشِ خاک پر

ایک ہستی ہے مُصر دنیا میں آنے کے لئے
اک تجلّی مضطرب ہے مسکرانے کے لئے

دفعتاً شق ہو کے رہ جاتی ہے دیوارِ حرم
اک صدا آتی ہے "اے میری امینِ محترم

آ کہ تیری منتظر ہے میرے گھر کی سرزمیں
یہ ترے مولود کا گہوارہ ہے کعبہ نہیں

اس کو کعبہ تو بنائے گا یہی نازِ حرم
آج شایانِ حرم کب ہیں یہ اندازِ حرم

سن کے یہ اٹھتی ہیں وہ مخدومہ فرشِ خاک سے
اور گذر جاتی ہیں دیوارِ گریباں چاک سے

لے کے آغوشِ تہی میں دولتِ دُرِّ نجف
رفتہ رفتہ بند ہو جاتا ہے کعبہ کا صدف

"پہلی کرن"

مسکراتی ہے افق پر صبح کی پہلی کرن
چونک اٹھے ذراتِ صحرا جاگ اٹھا صحنِ چمن

وقت آیا ہے کہ آئیں مرتبہ دانِ حرم
جمع ہوتے جاتے ہیں در پر نگہبانِ حرم

وہ کھلا قفلِ حرم وہ بندگانِ بت چلے
خود بخود بڑھنے لگے قلب و نظر کے ولولے

دفعتاً اک شور اٹھا اور رک گئے بڑھتے قدم
باعثِ حیرت ہوا دیدارِ مہمانِ حرم

دیکھتے کیا ہیں کہ اک مخدومۂ عفت شعار
ایک بچے کو لئے بیٹھی ہیں مغموم و نزار

بند ہیں بچے کی آنکھیں لب پہ مہرِ خامشی
جسم کی جنبش نہیں دیتی ثبوتِ زندگی

دفعتاً اک نوجواں بڑھتا ہوا آیا نظر
دیکھ کر جس کو اٹھیں مخدومۂ عالی گہر

اس جواں نے بڑھ کے بچے کو لیا آغوش میں
آگئی دنیائے خوابیدہ یکایک ہوش میں

بند آنکھیں کھل گئیں لب پر تبسم چھا گیا
ابتدائے آفرینش کا سماں یاد آگیا

مسکرایا اور ہمک کر چھپ گیا آغوش میں
جسطرح ملتے ہیں دو مدت کے بچھڑے جوش میں

ابتدائے دورِ ہستی کا فسانہ چھڑ گیا
مدتوں کے بعد پھر پچھلا ترانہ چھڑ گیا

عالمِ لاہوت کے جلوے منظم ہو گئے
دونوں ٹکڑے نور کے آپس میں مدغم ہو گئے

مل گئے شمس و قمر کامل ہوا نورِ خدا
ایک ان میں مصطفےٰ تھے اک علیٔ مرتضیٰ

خرد آثار

عجیب رنگ سے بدلا ہے نظمِ لیل و نہار
نظر نقابِ تجلّیٰ ، خرد جنوں آثار

ضیائے حسن کو سمجھے ہیں خیرگیٔ نگاہ
شعاعِ جلوہ کو کہتے ہیں راستے کا غبار

ہے اتنی عادیِ وضعِ قفس نگاہ کہ ہم
بنا رہے تھے نشیمن قفس ہوا تیار

فضا کو بدلا تھا تزئینِ گلستاں کے لئے
قفس کے در پہ ابھارے گئے نقوشِ بہار

فریب خوردہ اسیروں کی دل دہی کے لئے
بجائے کانٹوں کے پھولوں پہ آ رہا ہے نکھار

ریا کا نام ہے اخلاق اس زمانے میں
منافقت پہ ہے تہذیبِ حاضرہ کا مدار

بزعمِ خویش ہر اک فکر ہے فلک پرواز
بقدرِ شوق ہر اک ذہن ہے جنوں آثار

وفا ہے دورِ جہالت کی رسمِ لایعنی
خلوص جہل و حماقت کا آخری معیار

طریق اہلِ جہاں ہے صداقتوں سے گریز
شعارِ اہلِ نظر ہے حقیقتوں سے فرار

نظر کی آخری حد تک ہیں بتکدے رقصاں
کہاں یہ چھیڑ دیا ذکرِ حیدرِ کرار

وہ قدر و منزلِ مولودِ کعبہ کیا جانیں
نظر میں جن کی بسی ہو صنم کدے کی بہار

وہ جنگ پیشہ جو پسپائیوں پہ فخر کریں
سمجھ نہ پائیں گے اجلالِ حیدرِ کرار

وہ قدر و منزلِ نفسِ نبی تو کیا جانیں — جو رہنِ خونِ عزیزاں پہ کھا رہے ہوں ادھار
ردائے کہنہ و نانِ جویں کی کیا قیمت — زر و گہر ہیں یہاں عظمتِ بشر کا مدار
بس اب خموش یہ دنیا سمجھ نہ پائے گی — کہ طنز بھی ہے تمنا کا طریقۂ اظہار
یہ بزمِ سادہ دلاں ہے یہاں مناسب ہیں — بصد خلوص قصیدے کے دل نشیں اشعار

زہے جلالت و توقیرِ حیدرِ کرار — نبی نظیر، صفاتِ خدا کا آئینہ دار
وہ زیست جس کا ہر اک سانس روحِ ایماں کی — وہ موت جس کا ہر اک رنگ زندگی کا نکھار
کوئی رسول کے قلب و نگاہ سے پوچھے — ترے خلوص کی منزل، تری وفا کا وقار
ادب شناس، محل آشنا، مآل اندیش — خلوص پیشہ، وفا کیش، پیکرِ ایثار
ستونِ قبۂ اسلام، فاتحِ خیبر — حرم کے دل کی تمنا، رسول کی تلوار
خلوصِ قلب کا پیغام بر، وفا کا امام — ثبات و عزم کی معراج، عشق کا معیار
نقابِ پیکرِ انساں میں برقِ شعلہ طراز — لباسِ جسمِ بشر میں اپی ہوئی تلوار
شرارِ برق بکف خرمنِ ضلالت پر — محاذِ کفر پہ ایماں کی آہنی دیوار
فرازِ عرش پہ دستِ خدا، زبانِ خدا — زمیں پہ بسترِ خیر الوریٰ کا ورثہ دار
نبی کا نور، نبی کی نظر، نبی کی سرشت — خدا پرست، خدا آشنا، خدا آثار

عجیب ذات ہے ذاتِ علیؑ کہ دشمن کو
نہ اعتراف گوارا نہ جراتِ انکار

نادِ علیؑ

کس جہاں میں لے آئی زندگی خدا جانے
چپ رہیں تو دم الجھے، بول اٹھیں تو دیوانے

گومگو کا عالم ہے قلب و روح پر طاری
بے زباں ہیں تقریریں بے صدا ہیں افسانے

دور تک مسلّط ہے دشت و در پہ سناٹا
بستیاں ہیں خوابیدہ ہو نکتے ہیں ویرانے

دل سے لب تک آتی ہیں یوں گھٹی گھٹی آہیں
جیسے لوگ جاتے ہوں میّتوں کو دفنانے

آسرا حبابوں کا، آرزو سرابوں کی
آج یہ کھلونے ہیں، زندگی کے پیمانے

اہرمن نے پھونکا ہے آخری فسوں دل پر
چہرۂ حقیقت سے جھانکتے ہیں افسانے

دور ہٹتے جاتے ہیں لفظ اپنے معنی سے
جہل ہے خردمندی بستیاں ہیں ویرانے

مادے کی مورتی پر ہے غلاف مذہب کا
شکلِ کعبہ میں ڈھل کر آئے ہیں صنم خانے

اب جہاد کہتے ہیں مصلحت کو حاکم کی
مستند نہیں شاید دینِ حق کے پیمانے

کس سے پوچھئے جاکر کون ہے شہیدوں میں
سرفروشِ راہِ حق یا وطن کے پروانے

ذہن و دل کو گھیرے ہے حلقۂ زر و آہن
مادی وسائل ہیں طاقتوں کے پیمانے

جسم و جاں کی بازی ہے غیر کے اشارے پر
اعتمادِ مبہم پر جی رہے ہیں دیوانے

ہاتھ آگیا جس کا ہاتھ میں، وہی رہبر
اس فضائے تیرہ میں کون کس کو پہچانے

ذوالفقار سمجھے ہیں گردِ ماہ و انجم کو
وہم کے فلک پر ہیں خود فریب دیوانے

نفاق ظاہر ہے جبرِ زیست کا پردہ
مصلحت کے شعلوں پر جل رہے ہیں پروانے

آج بھی مگر لب پر یا علیؑ کے نعرے ہیں
خیبر و اُحد کے ہیں اب بھی لب پہ افسانے

پوچھتا ہوں میں اکثر صبح کے دھندلکوں سے
کچھ علیؑ کو سمجھے بھی یہ علیؑ کے دیوانے

کیا علیؑ ہے صرف اک نام ذہن کے سہارے کا
کیا علیؑ کو سمجھا ہے اک سراب دنیا نے

جیسے اک اشارے کی آرزو میں ہوں مولیٰ
دی صدا اور آ پہنچے گتھیوں کو سلجھانے

کاش کوئی سمجھا ہے ان طلب پرستوں کو
رُوح کے مدارج ہیں دینِ حق کے پیمانے

ہے شعارِ حق کوشی شرطِ نصرتِ حیدرؑ
جائزہ تو لیں پہلے اپنے دل کا دیوانے

ذہن و روح میں جب تک رجسِ شرک باقی ہے
بے ہدف ہیں فریادیں بے اثر ہیں افسانے

پہلے مطمئن ہو لیں اپنی حق شعاری سے
آبِ صدق سے دھو کر ذہن و دل کے پیمانے

پھر بشوق دیں آواز شیرِ حق کی نصرت کو
پھر بڑھے گی خود فطرت قصرِ معصیت ڈھانے

پھر یہ میرا ذمہ ہے ہر محاذِ مشکل پر
خود بڑھے گا ہر طوفاں کشتیوں کو تیرانے

زندگی یہ دیکھے گی زندگی نے دیکھا ہے
ہر زماں سنبھالا ہے ڈوبتوں کو مولیٰ نے

ورنہ یوں تو خود سوچو کیا نتیجہ نکلے گا
شیرِ حق کو آوازیں کافروں کو بہکانے

منزلِ امام

منزل یہ ہے امام کی اس شش جہات میں   مختارِ کُل ہیں دائرۂ ممکنات میں

تاریخ لاکھ ہنستی رہے آپ پر مگر   ذکرِ علیؑ نہ آئے محمدؐ کی بات میں

کیا ہیں نبیؐ و آلِ نبیؑ مختصر یہ ہے   جب یہ نہ تھے تو کچھ بھی نہ تھا کائنات میں

مشکل کشا کا بندہ ہوں اے مشکلاتِ دہر   لغزش نہ ڈھونڈنا مرے پائے ثبات میں

دفعِ عدو، رضائے خدا، حفظِ مصطفیٰؐ   کس کس محاذ پہ تھے علیؑ ایک رات میں

کوشش تو کر رہے ہو کہ لاؤ علیؑ کا مثل   مل بھی سکیں گے اتنے صفات ایک ذات میں

سیدھی سی بات ہے وہی آلِ رسول ہیں   ملتے ہوں جو رسول سے ان کے صفات میں

نکلے ہیں جتنے لفظ علیؑ کی زبان سے   اتنے چراغ جل اٹھے راہِ حیات میں

اس دور کے بیاں میں صداقت نہ کر تلاش   تاریخ ڈوب جائے جہاں خواہشات میں

اُتنا ہی وہ علیؑ کی عداوت میں غرق ہے   جتنا کسی کو شک ہے پیمبر کی بات میں

قرآں مزاج فکر کی شائستگی کے ساتھ   تفسیرِ دینِ حق تھے علیؑ اپنی ذات میں

خوفِ خدا سے چپ ہوں مگر واقعہ یہ ہے   کچھ وزن کم نہیں ہے نصیری کی بات میں

یہ خانۂ علیؑ کی فضاؤں کا فیض تھا   قرآں جذب ہوگیا فضہ کی بات میں

لو مدحتِ علیؑ میں ہوا اور ایک شعر   اک شمع اور جل گئی راہِ نجات میں

شاہدؔ زبان و دل پہ یہ بندش عجیب ہے
مشکل کشا کا نام نہ لو مشکلات میں

پیمانے

رہے اب تک بلند از انقلابِ دہر میخانے
وہی ساقی، وہی بادہ بہت بدلے تو پیمانے

یہ پیمانے مگر بدلے گئے کچھ اس سلیقے سے
کہ ہر منظر بدل کر رکھ دیا چشمِ تمنا نے

جہاں کل آخری حدِ نظر تک مے برستی تھی
وہاں ساقی کا منہ تکتے ہیں اک قطرے کو پیمانے

فسردہ غنچہ و گل، سبزہ لرزاں، سرنگوں شاخیں
بدل رکھا ہو جیسے گلستاں کا بھیس صحرا نے

نہ جانے ان دنوں کیا ہو گیا رسمِ محبت کو
پروں سے گل کئے دیتے ہیں خود شمعوں کو پروانے

ضیائے آگہی پر سایۂ وہم و تخیل ہے
حقیقت بن کے دین و دل کو بہکاتے ہیں افسانے

خرد کہتا ہے عالم جہل کی تفسیرِ مہمل کو
رکھا ہے نام ویرانے کا بستی اہلِ دنیا نے

لبِ یزداں پہ دستِ اہرمن ہے مہر کی صورت
بجائے نعرۂ بیباک خوں روتے ہیں دیوانے

چڑھا آتا ہے سورج پھیلتی جاتی ہے تاریکی
جلا دیتے ہیں کعبے کو نکھر آتے ہیں بتخانے

کہیں زنار دستِ شیخ میں قشقہ جبینوں پر — کہیں زیبِ گلوئے برہمن تسبیح کے دانے
کہیں الزامِ حق گوئی پہ دنیا جیتے جی دوزخ — کہیں حق سوز باطل کی جزا جنت کے پروانے
کہیں ظلمات زادوں کے لئے نور آفریں کوشک — کہیں خورشید سازوں کے مقدر میں سیہ خانے
کہیں چینِ جبیں پر لرزشیں شمشیرِ براں کی — ریاکاری کے سجدوں پہ کہیں الماس کے دانے
کہیں سوکھے گلے محتاج اک قطرے کو پانی کے — کہیں رقصاں نظر کی ایک جنبش پہ پیمانے
کہیں کرسی زرِ انعام تاویلاتِ ناجائز — کہیں تردیدِ کج فہمی پہ زنداں کے سیہ خانے
یہ عالم اور میلادِ علیؑ کی یاد حیرت ہے — صنم خانے میں کعبے کی حقیقت کوئی کیا جانے
یہ توفیقِ الٰہی یہ بصیرت کس کو حاصل ہے — کہ انساں روح کے معیار سے انساں کو پہچانے
جہاں مادیت میں علوئے نفس کیا معنی — بغاوت کی فضا میں آقا کو کوئی کیا جانے
وہاں خودداری و غیرت کے معنی کون سمجھے گا — جہاں اغیار کی امداد پہ جیتے ہوں دیوانے
جہاں ہر ماورائے فہم ہستی وہم بن جائے — وہاں دنیائے دل کی وسعتوں کو کوئی کیا جانے
جہاں بربادئ عصمت دلیلِ ارتقا ٹھہرے — وہاں تطہیرِ اہلِ بیت کے مہمل ہیں افسانے
امیر المومنین اک خادمِ جمہور ہوتا ہے — یہ راز اس دورِ استبداد کا انسان کیا جانے
جہاں بھوکے سے روٹی چھین لینے کو ہنر سمجھیں — وہاں شانِ نزولِ ہل اتیٰ کو کوئی کیا جانے
جہاں پسپائیوں پر فخر ہو جنگ آزماؤں کو — وہاں کس کو سنائیں خیبر و خندق کے افسانے
نظر میں جس کی خود ترویج ہی اک رسمِ مہمل ہو — وہ عز و شانِ دامادِ پیغمبر کو کیا جانے

وہاں شب زندہ داریِ علیؑ کون سمجھے گا
نمازِ صبح کی ضد پر جہاں ڈھلتے ہوں پیمانے

جہاں شخصیتِ جبریل ہی کے لوگ منکر ہوں
وہاں استادیِ جبریل کے مہمل ہیں افسانے

وہاں نانِ شعیر و چادرِ کہنہ کی کیا قیمت
زر و لعل و گہر ہوں جس جگہ عزت کے پیمانے

خدا کو بیچ دیتی ہو جہاں خود کے لئے دنیا
وہاں راہِ خدا میں خود فروشی کوئی کیا جانے

وہاں توقیرِ مولودِ حرم کی کون سمجھے گا
جہاں آباد ہوں ایک ایک دل میں لاکھ تبخانے

خدا جس کی نظر میں اک بتِ دورِ جہالت ہو
وہ معنیِ یداللہ و لسان اللہ کیا جانے

امیرالمومنین اس کے لئے اک لفظِ بے معنیٰ
جو ہر بازیٔ گرِ منطق کو اپنا پیشوا مانے

سمجھتا ہو جو حریت کے معنی بد لگامی کو
وہ گیرائیِ عدلِ مرتضیٰؑ کی قدر کیا جانے

وہاں کس کو خبر کیا چیز ہے نفسِ نبی ہونا
جہاں خونِ عزیزاں پر لئے جاتے ہوں بیعانے

جہاں قرآں کو ہاتھوں پر اٹھائے کفر پھرتا ہو
وہاں صفین کی حق کوشیوں کو کوئی کیا جانے

جہاں ہر صدق ترتیبِ تمدن کے منافی ہو
تعجب کیا حقائق گر وہاں بن جائیں افسانے

کسی سوتے ہوئے انساں کو چونکانا تو آساں ہے
یہ جیتے جاگتے انسان کب چونکیں خدا جانے

پیمانِ وفا

ہے غدیر اک عہدِ پیمانِ وفا کہیئے جسے
درمیانِ حق و باطل فیصلہ کہیئے جسے

بس وہی ہے آلِ پیغمبر نما کہیئے جسے
ہو بہو مصداقِ قولِ "کلنا" کہیئے جسے

حرفِ اعلانِ امامت ہے وہ اعلانِ نبی
نعمتِ تنزیلِ دیں کی انتہا کہیئے جسے

ہیں محمد مصطفیٰ بے شک حبیبِ کبریا
کون ہے لیکن حبیبِ مصطفیٰ کہیئے جسے

بدر میں وہ ضربتِ اول سرِ فرقِ ولید
خشتِ اول ہے بنائے کربلا کہیئے جسے

قرب و دوری کل ایماں سے یہی پیمانہ ہے
درمیانِ کفر و ایماں فاصلہ کہیئے جسے

عظمتِ اصحابِ پیغمبر مسلّم ہے مگر
ہے کوئی ان میں کہ نفسِ مصطفیٰ کہیئے جسے

لب پہ نہ، رنگ فق، ماتھے پہ بل نظریں ادھر ادھر
کیا یہ وہ آواز ہے دل کی صدا کہیئے جسے

کون ہے کونین میں مولودِ کعبہ جز علیؑ
بے تامل خانہ زادِ کبریا کہیئے جسے

کچھ سیہ بختوں کے حق میں خود وہ مشکل بن گیا
تا ابد کونین کا مشکل کشا کہیئے جسے

جز امامِ عصرِ حاضر کون ہے بعدِ نبی
درمیانِ خلق و خالق واسطہ کہیئے جسے

صرف دو ذاتیں ہیں اور ان کے سوا کوئی نہیں
شاملِ آلِ رسولِ کبریا کہیئے جسے

ایک تو سلمان ہیں مصداقِ منا اہلبیت
ایک فضہ ہے شریکِ ہل اتیٰ کہیئے جسے

حیدرؑ کے لئے

یہ حلقۂ کُن احمدؐ و حیدرؑ کے لئے ہے
ہر گردشِ پرکار اسی محور کے لئے ہے

اب تک نہ سجا اور نہ کسی سر کے لئے ہے
جو تاجِ "سلونی" سرِ حیدرؑ کے لئے ہے

ایماں کا علم فاتحِ خیبر کے لئے ہے
دیکھیں یہ شرف کس کے مقدر کے لئے ہے

ہے خانۂ زہراؑ و علیؑ ضامنِ ایماں
باطل کی ہر ایک ضرب اسی گھر کے لئے ہے

دیوار نے در کھول رکھا ہے کہ نہ ہو دیر
کیا شوقِ حرم آمدِ حیدرؑ کے لئے ہے

تارا اک اترتا ہوا آتا ہے زمیں پر
پوچھے تو کوئی اس سے یہ کس گھر کے لئے ہے

بن سکتا نہیں غیر کوئی پردۂ ہجرت
بستر یہ فقط نفسِ پیمبر کے لئے ہے

اک ضرب عباداتِ دو عالم سے گراں تر
یہ اوج بھی مختص یدِ حیدرؑ کے لئے ہے

سب چھوڑ دیں حیدرؑ سے احد چھپ نہیں سکتا
یہ حق کی سپر حفظِ پیمبرؐ کے لئے ہے

ہیں کتنے وہ چہرے جو شگفتہ ہیں سرِ خُم
اعلانِ نبی زخم تو اکثر کے لئے ہے

کرتا ہے سلام اس پہ خود اللہ کا محبوب
یہ اوج فقط خانۂ حیدرؑ کے لئے ہے

ہے کشفِ مسلسل کا سماں راہِ نجف میں
ہر اگلا قدم پہلے سے بہتر کے لئے ہے

اے پائے طلب رک، وہ دیارِ نجف آیا
آگے سفر اب یاں سے میرے سر کے لئے ہے

وہ جس پہ کوئی داغ نہ ہو بغضِ علیؑ کا
شاہدؔ مئے کوثر اسی ساغر کے لئے ہے

منزلِ آخر

کس قدر بے کیف کتنی منجمد تھی زندگی
جب محبت کی تڑپ تقدیرِ انساں میں نہ تھی

اک خلا تھا جس میں کچھ آوارہ روحیں تھیں مقیم
اک دھواں تھا جس میں تابش تھی نہ سوزِ زندگی

اک سمندر جس کی موجوں میں نہ تھا ربط و نظام
ایک صحرا جس کے ذروں میں ہم آہنگی نہ تھی

فکر تھی محدود اپنی ذات کے عرفان تک
محورِ فکر و نظر تھا جذبۂ خود پروری

مہر و ایثار و وفا الفاظِ بے مفہوم تھے
تھی ورائے فہمِ انساں اجتماعی زندگی

رفتہ رفتہ زندگی کی ٹھوکریں راس آگئیں
آگیا انساں کو آخر شعورِ زندگی

عقل پر واضح ہوا مل جل کے رہنے کا مفاد
تجرباتِ تلخ سے ابھرا مذاقِ یک دلی

اجتماعیت نے بخشی دہر کو تنظیمِ نو
اب زمانے کو ضرورت تھی کسی قانون کی

زندگی کی اس اٹل فوری ضرورت کے لئے
خالقِ عالم نے اک قانون کی تشکیل کی

لے کے اس قانون کو نازل ہوئے کونین پر
ایک کے بعد اک پیمبر ایک کے بعد اک نبی

زندگی کے ارتقائے دم بدم کے ساتھ ساتھ
اس نظامِ زیست میں ترمیم بھی ہوتی گئی

آخرش دنیا میں آیا آخری ہادیٔ دیں
لے کے اپنے ساتھ اک جامع نظامِ زندگی

مل گیا انساں کو آخر اک اٹل قانونِ زیست
اب زمانے کو پیمبر کی کوئی حاجت نہ تھی

بس یہ کافی تھا کہ یہ قانون جاری رہ سکے
اور اس قانونِ محکم کا محافظ ہو کوئی

اس محیطِ بے کراں کا کوئی محور ہو کہیں
اور اس محور پہ رقصاں ہو شعورِ زندگی

ایک مشعل جس سے روشن رہ سکے راہِ حیات
ایک نقطہ ہو جسے محور بنا لے آدمی

کوئی ایسا ہو کہ بڑھ کر دستگیری کر سکے
جب حوادث میں الجھ کر لڑکھڑائے آدمی

آئے جب مشکل تو اک مشکل کشا بھی ساتھ ہو
پنجۂ طوفاں میں ہو اک ناخدا کا ہاتھ بھی

ردِ ظلمت کے لئے درکار تھا اک آفتاب
نصرتِ دیں کے لئے حاجت تھی اک شمشیر کی

ایک منزل الغرض درکار تھی ہر راہ کو
خالقِ عالم کے گھر سے یہ بھی منزل مل گئی

خانۂ کعبہ سے ابھرا اک ستارا نور کا
زندگی کو مل گیا رہبر پیمبر کو وصی

رنگ لائیں حاکم و نائب کی باہم کوششیں
رفتہ رفتہ ہو گئیں سر منزلیں تبلیغ کی

چھٹ گیا حدِ نظر تک کفر و باطل کا غبار
ساعتِ تکمیلِ دیں اتمامِ نعمت آگئی

بن چکا دستور اب اس کی حفاظت کے لئے
اک نگہدار ایک قوت منتخب ہونے کو تھی

کر رہے ہیں آج اعلانِ خلافت مصطفیٰؐ
دیکھنا یہ کس کے بازو ہیں تہِ دستِ نبی

گونجتا ہے تہنیت کے شور سے دشتِ غدیر
بن گئے ہیں ہر نظر کی آخری منزل علیؑ

نائبِ ختم الرسل کا مسئلہ طے ہو گیا
کس کی جرات ہے کہ جھٹلائے یہ اعلانِ نبی

جو مجھے آقا سمجھتا ہے اسے آقا کہے
جس کا میں مولا ہوں لوگو اس کا مولا ہے علیؑ

اس کا دشمن میرا دشمن دوست اس کا میرا دوست
اور مجھ سے دشمنی ہے کبریا سے دشمنی

دیکھ اے انساں سرِ منزل وہ جل اٹھے چراغ
اب بھی گر رستہ بھٹک جائے تو بدبختی تری

آج بھی اس نور کے سائے میں ہے گرمِ سفر
تیرگی کی یورشوں میں کاروانِ زندگی

آج بھی جب مشکلوں میں لڑکھڑاتے ہیں قدم
بے ارادہ لب پہ آتی ہے صدائے یا علیؑ

ہم تو شاھدؔ اس قدر سمجھے علیؑ کا مرتبہ
اس سے آگے یا خدا واقف ہے یا اس کا نبی

امیرالمومنین

اللہ اللہ! بیعتِ پرنورِ امیرالمومنین — سائباں حق، علم در، ایماں فضا عصمت زمیں

کون ہے بستر کا وارث کون قرضوں کا امیں — یوں جسے چاہو بنالو مصطفیٰؐ کا جانشیں

عام ہے فیضِ شبِ ہجرت اثر یکساں نہیں — اپنا اپنا ظرف کوئی مطمئن کوئی حزیں

ہیں جو کردارِ سیاسی پر علیؑ کے نکتہ چیں — ان سے پوچھو اور کیا کرتے امیرالمومنیں

ہم کو کیا خوفِ غم و آلام دشمن ہو حزیں — ایک نعرۂ حیدری اور دور تک مشکل نہیں

سر بسجدہ ہے ادب سے لفظ و معنی کی جبیں — مدحِ بابِ علم کا ارماں تو ہے امکاں نہیں

سوچتا ہوں کیسے ممکن ہو سکے امرِ محال — کس طرح ہو جائے بحرِ بے کراں کوزہ نشیں

ایک ذرے میں ہو کیونکر وسعتِ صحرا اسیر — آسماں کی وسعتوں تک کیسے جا پہنچے زمیں

ہاں مجھے کوتاہیٔ ابلاغ کا ہے اعتراف — ترک کر دوں منقبت یہ بھی مگر ممکن نہیں

اے علیؑ، اے حاملِ جملہ صفاتِ مرسلیں — کبریا آثار، کعبہ منزلت، قرآں یقیں

اے کہ تیرا تاجِ سر خاکِ کفِ پائے رسول — اے کہ تیرا نقشِ پا مہرِ نبوت کا نگیں

تیرے در کی جبہ سائی خوفِ محشر سے نجات — تیرے دامن کا تمسک ضامنِ خلدِ بریں

تیرے دل کی ایک اک دھڑکن عناں گیرِ حیات — تیرے لب کی ایک اک جنبش مشیت آفریں

ذوقِ باطن نصرتِ دیں جبرِ فطرت فکرِ ذات — ایک رخ خیبر کا در اک زاویہ نانِ جویں

ایک جانب زورِ بازو ضامنِ حفظِ رسول
اک طرف نہج البلاغہ روحِ قرآں کی امیں

کتنے دنیا میں پیمبر بن گئے کتنے خدا
کوئی دنیا میں مگر تیرے سوا حیدر نہیں

معترض معنیٔ مولا کو اس آئینے میں دیکھ
جز علیؑ و مصطفیؐ ایسا کوئی مولا نہیں

دستِ پیغمبر پہ ہے تاجِ امامت کا نگیں
آج ہے قرآن خود ہی رحلِ قرآنِ مبیں

وہ چلے حیدرؑ علم بر دوش اُلٹے آستیں
ارضِ خیبر کی خبر لے شہپرِ روح الامیں

کس قدر دلچسپ تھا مولائے کل کا تذکرہ
مجھ میں اور روح الامیں میں رات بھر باتیں رہیں

معنیٔ مولا کے کج بحثوں سے بس یہ پوچھ لو
تم کو پیغمبر کی نیت پر یقیں ہے یا نہیں

وقت نے سمجھا مگر اس وقت اندازہ نہ تھا
منجمد آہیں تھیں جو نہج کی لے میں ڈھل گئیں

کیسے روکیں مدحتِ حیدرؑ سے پیغمبر کو لوگ
یہ تو خالق کے سوا اوروں کی سنتے ہی نہیں

اللہ اللہ! کس بلندی پر ہیں بازوئے رسولؐ
اے علیؑ اب اور کتنی دور ہے عرشِ بریں

ساری امت ہی اگر ہے وارثِ ختم الرسل
لفظِ مولا بھی تو ترکہ ہے یہ بٹتا کیوں نہیں

بسترِ ہجرت سے جتنی دور ہے دشتِ غدیر
ہے بس اتنی دور میرے گھر سے فردوسِ بریں

شرک سے نفرت ہے لیکن اپنے دل کو کیا کہوں
ہے نصیری بھی تو مشرک اس سے نفرت کیوں نہیں

ہے خدا ہونے کا شک جس پر وہ ہے ذاتِ علیؑ
اس میں انسانی نقائص تو نہ ڈھونڈ اے نکتہ چیں

لفظِ نہج استعارہ بن چکا ہے شیخ کا
بات آگے بڑھ گئی اب واپسی ممکن نہیں

ہیں یہی شاہد ولا کے قافلے کی منزلیں
سامرہ، مشہد، نجف، کرب و بلا، خلدِ بریں

آفتابِ حرم

ذکرِ علیؑ ہے ضربِ مسلسل بغضِ علیؑ کے ماروں پر
کتنا گراں یہ حکمِ نبیؐ ہے ان ذہنی ناداروں پر

عرش کے جلوے فرش پہ بکھرے برق گری اندھیاروں پر
صحنِ حرم میں سورج اترا دھوپ چڑھی میناروں پر

فرشِ زمیں پر بکھرے پڑے ہیں کل کعبہ اور آج کے بت
"جاء الحق" لکھتی ہیں کرنیں کعبے کی دیواروں پر

ٹے علیؑ کو چوم رہی ہے چشمِ خلیلؑ و اسمٰعیلؑ
آج کھلا تعمیر کا مقصد کعبے کے معماروں پر

دشمنِ نبیؐ کے گن گائے جا نفسِ نبیؐ کی بات نہ کر
تیری بات گراں گزرے گی دیں کے اجارہ داروں پر

پھٹ جاتا ہے میل دلوں کا یوں لیتے ہی نامِ علیؑ
جیسے صیقل ہو جاتی ہے زنگ لگی تلواروں پر

کیسے ترسے ہونگے دیکھ کے چین سے سونے والوں کو
دروازے پر جاگنے جن کی رات کٹی انگاروں پر

چاہیں بھی تو ممکن کب ہے، ذکرِ نبیؐ بے ذکرِ علیؑ
ایک عذابِ سخت ہے یہ بھی بغضِ علیؑ کے ماروں پر

بزمِ غدیرِ اعلانِ پیمبر شبنم بھی تھا شعلہ بھی
کچھ چہروں پر پھول کھلے تھے کچھ لوٹے انگاروں پر

اپنے بزرگوں کے قاتل کو اپنا مولا کیسے کہیں
حکمِ غدیر اک ثقل گراں ہے بدر کے ورثہ داروں پر

ظلم کے ڈر سے بیعت کرلے اور خاموش رہے وہ جری
ساری عمر جو چلتا رہا ہو تیغ و تبر کی دھاروں پر

شک کردارِ آلِ نبیؐ پر شاید ایسا لگتا ہے
جیسے کوئی الزام دھرے قرآنِ مبیں کے پاروں پر

فتحِ خیبر

وہ صبحِ نو بساطِ فلک پر عیاں ہوئی
اک فوج سوئے قلعۂ خیبر رواں ہوئی

یہ فوجِ اہلِ حق ہے سپاہِ رسول ہے
پچھلی ہزیمتوں سے مگر دلِ ملول ہے

عزمِ قوی میں حوصلہ فرسائیاں بھی ہیں
نورِ یقیں میں ہلکی سی پرچھائیاں بھی ہیں

کیفیتِ تضاد ہے قلبِ سپاہ میں
لغزش قدم میں نورِ تیقن نگاہ میں

دھڑکا عدو کا لشکرِ جرار دیکھ کر
ڈھارس، جلالتِ رخِ سالار دیکھ کر

پیہم ہزیمتوں کا تکدر بھی دل میں ہے
اعلانِ مصطفےٰؐ کا تصور بھی دل میں ہے

سرکار نے کہا تھا "علم" کل وہ پائے گا
میداں سے قبلِ فتح جو واپس نہ آئے گا

وہ مستند رجل ہے شجاعت میں فرد ہے
بھاری ہے جو ہزاروں پہ تنہا وہ مرد ہے

کرّار ہے، فرار سے ہے اس جری کو ننگ
ہاتھوں پہ اس کے فتح کرے گا خدا یہ جنگ

ہے عاشقِ خدا و نبی وہ وفا شعار
اللہ اور رسول بھی کرتے ہیں اس سے پیار

پھر آج جس جری کو ملا فوج کا نشاں
ہے یاد سب کو اس کی شجاعت کی داستاں

حیدر ہے "لافتیٰ" ہے، یہ شیرِ اللہ ہے
بدر و احد گواہ ہیں، خندق گواہ ہے

اس کی کمان میں ہیں تو ہم ہوں گے پست کیا
سالارِ فوج یہ ہے تو خوفِ شکست کیا

و چتے ہیں اور قدم بڑھتے جاتے ہیں   روئے علیؑ کو دیکھتے ہیں مسکراتے ہیں

رده علم بدوش بڑھا شیرِ کبریا   میداں میں ایک سنگ پہ رک کر علم رکھا
لی ہی ضرب لوگوں کو مرعوب کر گئی   نوکِ علم چٹان کے دل میں اتر گئی
ج عدد سے نکلا ادھر ایک پہلوان   غصے سے چہرہ سرخ نگاہوں میں بجلیاں
تے ہی ایک نعرۂ ہیبت اثر کیا   اپنے حساب جنگ کا میدان سر کیا
ولا علیؑ سے کیا مجھے پہچانتا نہیں   مرحب ہے میرا نام مجھے جانتا نہیں
س کر کہا علیؑ نے کہ حیدرؑ ہے میرا نام   کچھ یاد ہے کیا تھا تری ماں نے کیا کلام
یدرؑ کا نام سن کے شقی تھرتھرا گیا   جو کچھ کہا تھا ماں نے وہ سب یاد آگیا
یرت نے پھر جھنجھوڑا تو سوئے علیؑ چلا   تھامے تھی ہاتھ موت جدھر لے چلی چلا
شیرِ خدا پہ وار کیا نابکار نے   بڑھ کر اسے جواب دیا ذوالفقار نے
اری نثار ہو گیا حیدرؑ کے وار پر   جسمِ شقی زمیں پہ تھا سر ذوالفقار پر
کبیرِ شیرِ حق سے زمیں کانپنے لگی   دشمن کی فوج ڈھالوں سے منہ ڈھانپنے لگی

باب علم

مسافر گر چرالیں اپنی نظریں علم کے در سے
تو سارے رابطے کٹ جائیں امت کے پیمبرؐ سے

علیؑ کے روئے اقدس میں ہے جلوہ ہر پیمبرؐ کا
نظر ڈالی علیؑ پر مل لئے ایک اک پیمبرؐ سے

ذرا نام مقابل پوچھ لے قبلِ وغا مرحب
تری ماں نے کہا تھا بچ کے رہنا تیغِ حیدرؑ سے

دلائل میں نصیری کے یقیناً وزن ہے لیکن
جو وہ کہتا ہے میں کہتا نہیں اللہ کے ڈر سے

سرِ منبر نبیؐ کے بعد دنیا آئی تو لیکن
نہ ہو پانی ہی جب بادل میں وہ برسے تو کیا برسے

خداوندا مسلماں کو وہ چشمِ دوررس دے دے
کہ دشتِ خم نظر آنے لگے ہجرت کے بستر سے

علیؑ کا مثل کوئی ڈھونڈھ کر لائے تو ہم جانیں
خدا سازی تو آساں ہے بنا لیتے ہیں پتھر سے

ابوطالبؑ علیؑ کے باپ ہیں کافر نہ کیوں ٹھہریں
نظر والے سمجھ لیتے ہیں پس منظر کو منظر سے

نظر آئے نہ آئے کوئی ہادی اب بھی ہے شاہدؔ
نہ ہو گر حجتِ قائم زمیں ہٹ جائے محور سے

دین و دانش

...ر جبریل تو لہجہ نہ فضا جانتی ہے
رازِ معراج مری فکرِ رسا جانتی ہے

...یا کہیں اہلِ نظر اس کو جو چشمِ کج میں
نفس کو ذاتِ پیمبر سے جدا جانتی ہے

...دیاں دیتی ہیں تلواروں کی جھنکاریں بھی
یہ حقیقت شبِ ہجرت کی ہوا جانتی ہے

...ہلِ اتی" کو درِ حیدر سے ہٹانے والو
چشمِ تاریخ یہ اندازِ ادا جانتی ہے

...شری نقص تو اس ذات سے چسپاں نہ کرو
جس کو اک قوم بہ عنوانِ خدا جانتی ہے

...ہ محبت کہ نصیری کو برا کیسے کہوں
یہ شریعت کہ نصیری کو برا جانتی ہے

...م پڑھو یا نہ پڑھو نادِ علیؑ مشکل میں
خود رسالت تو اسے عقدہ کشا جانتی ہے

...ل ایمان کا اعزاز ہے خود اسکی نوید
کون جیتے گا پیمبرؐ کی دعا جانتی ہے

...شاید اس قوم کا یہ جرم خدا بخش ہی دے
جو محبت میں غلط کو بھی روا جانتی ہے

...چھ نہ مانگا کبھی حیدر نے یہی کہتے رہے
میری مرضی میرے مالک کی عطا جانتی ہے

...کر اربابِ ولا ظلم کی خوگر ہی نہیں
کم سمجھتی ہے علیؑ کو نہ سوا جانتی ہے

...تخت کو قبر بنا دیتے ہیں مولیٰ کے غلام
یہ زمیں قوتِ اربابِ ولا جانتی ہے

...ادِ قرآں مجھے دو کر پڑھوں مدحِ علیؑ
فکرِ ناقص میری اس باب میں کیا جانتی ہے

آنکھ تو عکس کی محتاج ہے کیا جانتی ہے
دل کی دھڑکن ترے نقشِ کفِ پا جانتی ہے

تکمیلِ دین

فقط یقین ہے عرفانِ مرتضٰیؑ کی سبیل
نظر نہ ہو تو نہیں کوئی روشنی کی دلیل

تمام رات رہی وردِ لب ثنائے علیؑ
تمام رات مرے ہم نوا رہے جبرئیل

وہ نقطہ آکے رکا تحتِ بائے بسم اللہ
کشش سے جس کی ہوئی کائنات کی تشکیل

غمِ حیات کی تابش میں کیفِ ذکرِ علیؑ
کہ جیسے تپتے ہوئے بن میں آبِ سرد کی جھیل

تھی مبتداء شبِ ہجرت خبر ہے بزمِ غدیر
وہ جانشینی کا اجمال تھا یہ ہے تفصیل

ہر آئینہ ابوطالب کے خون کا جوہر تھا
علیؑ کا دبدبہ، جعفر کا عزم، فکرِ خلیل

سبھی تھے نورِ محمدؐ علیؑ سے تا مہدیؑ
تھی شمع اپنی جگہ دور میں رہی قندیل

ہے طاقِ دل میں مرے شمعِ بابِ علم کی ضو
میں اپنی ذات میں ہوں شہرِ آگہی کی فصیل

نثار اس ابوطالب کے گھر پہ مرادیں
مرادِ رسول کرے جس کے حکم کی تعمیل

یہ ایک نکتہ ہے کتنی صداقتوں کا امیں
کہ کیوں بلاغ میں اتنی نبی نے کی تعجیل

چلی امامتِ مطلق نبی سے تا بہ وصی
دعا قبول ہوئی مسکرا رہے ہیں خلیل

ہے قصدِ مدحتِ مولا تو اس خلوص سے ہو — کہ حرف حرف میں ہو جائیں قلب و جاں تحلیل

نبی کے بعد ہوا جو علیؑ کے ساتھ ہوا — نہ جھیل ناخنِ احساس اب یہ زخم نہ چھیل

علیؑ کو کر دیا تسلیم جانشینِ رسول — نہیں تو کیسے ہوئی تیرے دین کی تکمیل

بس ایک ختمِ رسل تھے سو آکے جا بھی چکے — تلاش کرتے رہو اب کہاں علیؑ کا مثیل

گراں عبادتِ کونین سے ہے ضربِ علیؑ — جنابِ شیخ کوئی اس حدیث کی تاویل

نبی نے اس لئے اتنا کیا علیؑ کو بلند — کہ راستے میں نہ حائل ہو کوئی قدِ طویل

یہ ضد تھی لوگوں کو مولا کے لفظ سے شاہد
نہ بدلا متن تو معنی ہی کر دیئے تبدیل

حیدر

نہ وحشت ہے مرے دل میں نہ سودا ہے مرے سر میں
بفیضِ عقل لکھتا ہوں قصیدہ مدحِ حیدرؑ میں

وہ حیدرؑ جس نے پہلی سانس لی اللہ کے گھر میں
وہ حیدرؑ جس نے کھولی آنکھ آغوشِ پیمبرؐ میں

وہ حیدرؑ جس کی پہلی ضرب نے باطل کے ٹکڑے کئے
وہ حیدرؑ کھنچ گئی تصویر جس کی چشمِ اژدر میں

وہ حیدرؑ سب سے پہلے جس نے دینِ حق کو اپنایا
وہ حیدرؑ سب سے آگے تھا جو تائیدِ پیمبرؐ میں

وہ حیدرؑ باپ جس کا سایۂ فرقِ محمدؐ تھا
وہ حیدرؑ جس کی ماں مہماں رہی اللہ کے گھر میں

وہ حیدرؑ جس کی زوجہ حلقۂ تطہیر کا مرکز
وہ حیدرؑ جس کا گھر بیتِ پیمبرؐ چشمِ داور میں

وہ حیدرؑ جس کے بچے جنبشِ دستِ مشیت تھے
وہ حیدرؑ جس کا خوں دوڑا رگِ دینِ پیمبرؐ میں

وہ حیدرؑ بچوں نے جس کی اپنی چادریں دے کر
بچالی حرمتِ اسلام طوفاں خیزیٔ شر میں

وہ حیدرؑ پرچمِ اسلام کو جس کی ضرورت تھی
وہ حیدرؑ جس کو پیغمبرؐ صدا دیتے تھے خیبر میں

وہ حیدرؑ جو شبِ ہجرت زِ سرتا پا محمدؐ تھا
وہ حیدرؑ جس کی خوشبو رچ گئی احمدؐ کے بستر میں

وہ حیدرؑ جس نے راہِ حق میں جو کچھ تھا لٹا ڈالا
وہ حیدرؑ جس نے فاقوں کے سوا چھوڑا نہ کچھ گھر میں

وہ حیدرؑ بادشاہی کانپ اٹھی جس کے غلاموں سے
وہ حیدرؑ جس کا اک ہلکا سا پرتو تھا ابوذرؓ میں

وہ حیدرؑ جس سے سجدے کی ادا جبریل نے سیکھی
وہ حیدرؑ جس کا حصہ تھا رموزِ علم داور میں

وہ حیدرؑ جس کو اپنا نفس پیغمبرؐ نے ٹھہرایا
وہ حیدرؑ دخل تھا جس کا رضائے ربِ اکبر میں

وہ حیدرؑ نانِ جو بھی بار تھی جس کی نقاہت پر
وہ حیدرؑ جس کی قوت تل سکی جبریل کے پر میں

وہ حیدرؑ "ہل اتیٰ" کا تاج جس کے سر پہ رخشاں تھا
وہ حیدرؑ "انما" کی ضو تھی جس کی کہنہ چادر میں

وہ حیدرؑ بابِ شہرِ علم کہتے تھے نبیؐ جس کو
وہ حیدرؑ حدِ فاصل تھا جو امت اور پیمبرؐ میں

وہ حیدرؑ جو نبیؐ کی جان تھا پردے میں بھائی کے
وہ حیدرؑ جو خدا کی شان تھا انساں کے پیکر میں

وہ حیدرؑ تھا جو قادر بر محل صبر و شجاعت پر
وہ حیدرؑ جس کی ضو تھی اسوۂ شبیرؑ و شبرؑ میں

وہ حیدرؑ جس کا ورثہ آخری شبیرؑ کا سجدہ
وہ حیدرؑ جس کی خاموشی کا جلوہ صلحِ شبرؑ میں

"حیدر بنادیا"

کانٹے کو مرتضیٰؑ نے گلِ تر بنادیا
رہزن کو اک نظر سے ابوذر بنادیا

صدیوں پہ تھے محیط جو اوصافِ انبیاء
حق نے انھیں سمیٹ کے حیدر بنادیا

کعبے میں بن گئے تھے خدا پتھروں کے بت
دستِ خدا نے پھر انھیں پتھر بنادیا

افسوس ناشناس زمانے کی بے حسی
کس کس کو مرتضیٰؑ کے برابر بنادیا

اک بت شکن نے کعبے میں دوشِ رسولؐ کو
توحید کردار کا منبر بنادیا

ہجرت کی شب میں لہجۂ خمِ غدیر نے
حیدرؑ کو جانشینِ پیمبر بنادیا

قفلِ جمود ضربِ سلونی سے توڑ کر
منبر کو بابِ علم نے منبر بنادیا

تھا لافتیٰ کو عہدِ جوانی کا انتظار
کعبے نے اتنی دیر کو حیدر بنادیا

تاثیرِ ہم نشینیٔ نفسِ رسولؐ نے
ادنیٰ سے اک غلام کو قنبر بنادیا

یوں بت شکن نے اجرِ ولادت ادا کیا
بیت الصنم کو کعبۂ داور بنادیا

قصدِ حرم تھا رک گئے جاکر نجف میں پاؤں
اچھی بھٹکن تھی جس نے مقدر بنادیا

مشکل کشا کے نام کی تاثیر کے نثار
مشکل کو برگِ گل سے سبک تر بنادیا

خاکِ نجف نے گود میں لے کر علیؑ کا نور
ذروں کو آفتاب کا ہم سر بنادیا

پہنچوں نجف تو کاش یہ آواز سن سکوں
شاہد کو ہم نے خادمِ قنبر بنادیا

پیمانۂ خم

ملا یہ خم سے ولائے علیؑ کا پیمانہ
کہ کس نے قولِ نبیؐ کتنا معتبر جانا

یہی غدیر حقیقت، یہی اک افسانا
بس اپنی اپنی شراب اپنا اپنا پیمانا

علیؑ کو مان رہے ہو غدیر میں مولیٰ
اس اپنے عہد سے کل منحرف نہ ہو جانا

پکار اٹھتا ہے ہر چہرہ سن کے ذکرِ غدیر
کہ کون اپنا ہے محفل میں کون بیگانا

چھپائے بیٹھے ہیں طوفان کتنے اہلِ غدیر
ہے دوشِ برق پہ قائم بنائے کاشانہ

یقین و شک کے دوراہے کی ابتدا ہے غدیر
ہے ایک سمت حرم، اک طرف صنم خانہ

ہیں کتنی صدیوں سے ان کاوشوں میں اہلِ نفاق
کہ مسخ کرتے رہیں دشتِ خم کا افسانا

یہ کیا طریقہ ہے اے شیخ تیوروں کو سنبھال
زباں پہ نعرۂ بخٍ بخٍ نظر حریفانا

ورائے سطحِ خرد ہے خلوصِ دل کا مقام
ہے اہلِ ہوش سے بہتر علیؑ کا دیوانا

علیؑ کو مثلِ نبیؐ مان تو لیا مولیٰ
مگر نبیؐ کو بھی دل سے کبھی نبیؐ مانا

کہیں یقیں ہے، کہیں شک، کہیں کدورت ہے
غدیر آج بھی ہے نیتوں کا پیمانہ

نیتوں کا پیمانہ

غدیر زہرِ ہلاہل، غدیر نعمت ہے
یہ اپنی اپنی طلب، اپنی اپنی نیت ہے

رسولِ پاک کے سائے کو ڈھونڈنے والو
رسولِ پاک کے سائے کا نام امامت ہے

ابھر رہی ہے پسِ پردہ کس کی یہ آواز
یہاں تو ذاتِ الٰہی ہے یا رسالت ہے

غدیر آج بھی ہے نیتوں کا پیمانہ
کہیں یقیں ہے، کہیں شک کہیں کدورت ہے

ہوں کچھ بھی معنیٰ مولا، مگر علیؑ سے عناد
نبیؐ سے بغض ہے اللہ سے عداوت ہے

ہیں گر مدینۂ علمِ نبی کا باب علیؑ
تو یہ بھی مانو کہ یہ جو کہیں شریعت ہے

میں کس سے پوچھوں کہ کیوں رجب شرک کے باد صف
مجھے نصیری سے نفرت نہیں محبت ہے

کسے نہیں معلوم

علیؑ ہیں نفسِ پیمبر کسے نہیں معلوم — ہے نفس ذات کا محور کسے نہیں معلوم

حرم میں اترے ہیں حیدرؑ کسے نہیں معلوم — ہے آج عرش زمیں پر کسے نہیں معلوم

نوائے خندق و خیبر کسے نہیں معلوم — ہے کون دین کا محور کسے نہیں معلوم

یہی کسوٹی ہے عرفانِ آلِ اطہر کی — ہے کون واقفِ کوثر کسے نہیں معلوم

علیؑ احد میں ہیں تنہا، عدو نہیں بڑھتے — مزاجِ قاتلِ اژدر کسے نہیں معلوم

ہے جانشینِ نبی کون بعدِ حکمِ غدیر — سوال کیوں ہے یہ لب پر کسے نہیں معلوم

وہ ادعائے سلونی ہو یا صدائے غدیر — ہیں کون وارثِ منبر کسے نہیں معلوم

وہی جو ملتے ہوں کردار میں پیمبر سے — نشانِ آلِ پیمبر کسے نہیں معلوم

نبی کی آخری خواہش نہ ہو سکی پوری — یہ اعتراض ہے کس پر کسے نہیں معلوم

فضا میں جذب ہے نادِ علیؑ کی گونج اب تک — یہ اعتمادِ پیمبر کسے نہیں معلوم

علیؑ کی مدح بھی لب پر، حریف کی بھی ثنا — سمجھ رہے ہیں وہ حق پر کسے نہیں معلوم

نہ پوچھ ہم سے خود اپنے ضمیر سے پوچھو — ہے کون دشمنِ حیدرؑ کسے نہیں معلوم

وہ مرتبہ جسے در در کے لے سکا نہ کوئی — علیؑ نے لے لیا سو کر کسے نہیں معلوم

جھکی ہے جس کی جبیں آستانِ حیدرؑ پر — سنور گیا ہے مقدر کسے نہیں معلوم

وہ جس کو کہتی ہے دنیا خدا کا گھر شاہد
ہے گاہوارۂ حیدر کسے نہیں معلوم

نورِ اوّل

نورِ اول بزمِ امکاں میں دو پیکر ہو گیا
اک پیمبر دوسرا نفسِ پیمبر ہو گیا

ہاں خدا بے شک نہیں حیدر مگر یہ سوچئے
آئے یہ تو بت کدہ اللہ کا گھر ہو گیا

جس کے اجزا سے جبینِ انبیاء چمکی وہ نور
ایک مرکز پر سمٹ آیا تو حیدر ہو گیا

پھر عطا کی مصطفیٰؐ نے جانشینی کی سند
منبرِ پالان رسولِ حق کا بستر ہو گیا

وہ سلونی کی صدا گونجی کٹا قفلِ جمود
آج پھر منبر رسولِ حق کا منبر ہو گیا

کیوں کسی کے در پہ جاؤں چھوڑ کر حیدر کا در
سوئے کمتر جو بڑھا پہلے سے کمتر ہو گیا

روشنی میں سورۂ کوثر کی دنیا دیکھ لے
ہے وہی دشمن پیمبر کا جو ابتر ہو گیا

لگ گئے حیدر فروغِ دین کی راہیں کھلیں
منزلِ بلّغ کا پہلا مرحلہ سر ہو گیا

اللہ اللہ ربطِ مستحکم میانِ نفس و ذات
میں نے کی مدحِ علیؑ ذکرِ پیمبر ہو گیا

بہرِ استقبالِ حیدر مسکرایا تھا حرم
لوگ یہ سمجھے کہ اک دیوار میں در ہو گیا

بوتراب ؑ

نوری وہ ہے جو خاکِ درِ بوتراب ہے
اے دشمنِ علیؑ تری مٹی خراب ہے

ایک اک کرن سے پوچھ لو مولا علیؑ کی شان
عینی گواہِ جشنِ غدیر آفتاب ہے

اقرارِ ذوالعشیرہ کی تکمیل ہے غدیر
یہ خدمتِ علیؑ پہ نبیؐ کا جواب ہے

باطن میں جھانک کر کوئی دیکھے تو کتنے دل
خوں رو رہے ہیں لب کا تبسم حجاب ہے

اے دوست قومِ گریہ کناں کا یہ رخ بھی دیکھ
ہم ہنس رہے ہیں آج کہ ہنسنا ثواب ہے

جھٹلا دیا غدیر کا پورا ہی واقعہ
واللہ! اس ڈھٹائی کا بھی کیا جواب ہے

بے ربطِ آل مل نہ سکے گی کتاب بھی
چلیئے یہ مانے لیتے ہیں کافی کتاب ہے

چاہیں تو دوپہر ہی میں چھپ جائے آفتاب
پھیرا تھا جو علیؑ نے وہی آفتاب ہے

کھنچ کھنچ کے آ رہا ہے سوئے خانۂ علیؑ
جس جس پہ قرضِ اجرِ رسالت مآب ہے

شاہد غلامِ آل ہوں جنت ہے میری قبر
خوفِ فشار ہے نہ غمِ احتساب ہے

مرتضیٰ

جب بھی زباں پہ نام مشیّت کا آگیا
بے ساختہ خیال سُوئے مرتضیٰ گیا

ابھرا تھا بام فکر پہ صرف اک علیؑ کا نام
نقشہ ہر اک نبی کا تصور میں آگیا

قصدِ حرم تھا رک گئے جاکر نجف میں پاؤں
پائے سفر تھکا بھی تو قسمت بنا گیا

کعبے میں بن گئے تھے خدا پتھروں کے بت
پھر دستِ کبریا انھیں پتھر بنا گیا

پہلا قدم علیؑ کا اٹھا جانبِ رسول
پھر ان کے نقشِ پا پہ ہر اک قافلہ گیا

دیکھا علیؑ کو، معنیٔ قرآں سمجھ لئے
وہ لفظ کو عمل سے مجسم بنا گیا

ہجرت کی شب، رسول کا بستر، علیؑ کا خواب
حکمِ غدیر وقت سے پہلے سنا گیا

پڑھتے رہے وہ دل کو نجف میں میں چپ رہا
کہنا جو چاہتا تھا وہ قصداً چھپا گیا

سمٹی ہے ایک نقطۂ بامیں علیؑ کی ذات
حیرت ہے ایک قطرے میں دریا سما گیا

بنتِ اسد کی گود میں رخشاں ہے آفتاب
یا آسماں سے رحل پہ قرآن آگیا

نادِ علیؑ میں پڑھتا تھا، سنتے رہے ملک
مولیٰ کا ذکر قبر میں بھی کام آگیا

افسوس ناشناس زمانے کی بے حسی
کس کس کو مرتضیٰ کے برابر کہا گیا

روح الامیں ملیں تو یہ پوچھوں کہ اے ندیم
شاہد کا نام اہلِ وفا میں لکھا گیا؟

نجمِ چادرِ تطہیر

خلوصِ شوق نے سجدے کو بخش دی تاثیر — جھکا کے سر جو اٹھایا تو جاگ اٹھی تقدیر
عطا ہوا شرفِ باریابیٔ سجدہ — جبینِ شوق پہ چمکا ستارۂ توقیر
حریمِ قدس میں سجدے کئے نگاہوں نے — طلب کو مل گئی برسوں کے خواب کی تعبیر
فرازِ روح پہ کچھ بجلیاں سی لہرائیں — چمک اٹھی افقِ دل پہ روشنی کی لکیر
میں سوچتا تھا کہ یہ موجِ نور کیسی ہے — فضا کو بخش دیئے جس نے یہ سراجِ منیر
اٹھا جو سر تو ہٹا چشمِ شوق کا پردہ — جمی نظر تو کھلا رازِ بارشِ تنویر
چراغِ نور تھا اک جس کے گرد رخشندہ — ہزاروں چاند ستارے تھے گیارہ ماہِ منیر
اسی چراغ سے روشن تھے سارے ماہ و نجوم — اسی کے جلوے کی ہر آئینے میں تھی تصویر
کیا سوال نظر نے، یہ نور کیسا ہے — کہ جس کا عکس بھی ہے سرمۂ نگاہِ بصیر
ملا جواب یہ ہے نورِ فاطمہؑ زہرا — یہ وہ اساس ہے جس پر ہے دین کی تعمیر
نگینِ خاتمِ عصمت، دلیلِ راہِ یقیں — چراغِ بزمِ حیا، نجمِ چادرِ تطہیر
ابوالائمہ کی ہمراز، مادرِ حسنینؑ — نبی کے گھر کا اجالا، خدیجہ کی تصویر
سنا جو فاطمہؑ کا نام، روح کانپ اٹھی — کبھی زباں پہ درود آ گیا، کبھی تکبیر
مگر یہ سوچ کے چپ تھا کہ کون سمجھے گا — جہانِ مادہ پرور میں روح کی توقیر
جہاں سنانے چلا ہوں میں قصۂ زہراؑ — ردا سے کہنہ ہے واں نامِ چادرِ تطہیر

شکستِ دامنِ عصمت ہے ارتقا کی دلیل
نشانِ پستیٔ انسانیت ہے نانِ شعیر

حیا کا ذکر اور اس حریت کی دنیا میں
یہ دل یہ فطرتِ آزاد اور یہ زنجیر

یہ وہ فضا ہے جہاں دعوئ وراثت کا
جواب تھا کہ نبی کی کوئی نہیں جاگیر

یہی وہ لوگ ہیں کہتے تھے جو نبی کے لئے
کہ ایک اُمّی کا ہذیان ہے خواہشِ تحریر

وہ خاک دیں گے بھلا دادِ مادرِ حسنینؑ
پکارتا ہے جنھیں خونِ شبّرؑ و شبیرؑ

جو لوگ خانۂ زہراؑ کو ڈھا کے رقص کریں
وہ ذکرِ چادرِ زہراؑ سے کیوں نہ ہوں دلگیر

وہ ذکرِ زوجۂ حیدرؑ سنیں گے کس دل سے
جنھیں تصورِ حیدرؑ ہے موت کی تصویر

ردائے دخترِ زہراؑ کے چھیننے والے
سنیں تو کیسے سنیں وصفِ چادرِ تطہیر

ابھی نہ اٹھے گا پردہ رخِ حقیقت سے
ابھی نہ سمجھے گی دنیا بتولؑ کی توقیر

مگر وہ وقت کہ جب حشر خود صدا دیگا
مگر وہ لمحہ کہ ہے زیرِ دامنِ تقدیر

وہ یوم سخت کہ جب دستِ ابنِ زہراؑ میں
کھنچے گی شوہرِ زہراؑ کی خونچکاں شمشیر

جب اہلِ درد کے ہمراہ عرش کانپے گا
ہلائی جائے گی میزانِ عدل کی زنجیر

طلب کریں گی قصاصِ حسینؑ بنتِ رسولؐ
فضا میں گونجے گی آوازِ مادرِ شبیرؑ

جب ایک عادلِ کامل کریگا یہ انصاف
کہ بے گناہ تھا کون اور کس کی تھی تقصیر

زمانہ سمجھے گا اس وقت شانِ زہراؑ کو
نگاہیں دیکھیں گی اس دن بتولؑ کی توقیر

اور اب تو کہنے دو دنیا جو کچھ کہے شاہدؔ
ہماری دادِ خموشی سپردِ ربِّ قدیر

رسالتِ نسواں

تبلیغ میں نبی کی ضرورت ہیں فاطمہؑ
نسوانیت کی حد میں رسالت ہیں فاطمہؑ

تطہیر و آگہی کی علامت ہیں فاطمہؑ
ہر دورِ زندگی کی ضرورت ہیں فاطمہؑ

قرآں نظر، رسول طبیعت ہیں فاطمہؑ
ہر رخ سے کردگار کی آیت ہیں فاطمہؑ

ایک ایک حرفِ آیۂ تطہیر ہے گواہ
قرآں کا تصوّرِ عصمت ہیں فاطمہؑ

سورج سے روشنی کی گواہی طلب نہ کر
روحِ مباہلہ کی صداقت ہیں فاطمہؑ

کتنی عظیم بیٹی خدیجہ کا ہے نصیب
کتنی عظیم ماں کی وراثت ہیں فاطمہؑ

قرآں مزاج گھر ہے نبیؐ و علیؑ کا گھر
قرآں مزاج گھر کی شریعت ہیں فاطمہؑ

رضواں کی کیا مجال نہ لائے لباسِ عید
امرِ خدا، زبانِ مشیّت ہیں فاطمہؑ

ہے اک صراطِ نور نبی سے امام تک
اور وہ صراطِ نورِ مشیّت ہیں فاطمہؑ

ان کا عمل نہ ہو تو شریعت بھی نا تمام
وہ ناگزیر جزوِ رسالت ہیں فاطمہؑ

اب وسعتِ عبادتِ حیدرؑ نہ پوچھئے
شام و سحر شریکِ عبادت ہیں فاطمہؑ

قرآں کی مثل فرض ہے ان کا بھی احترام
لوگو! امینِ حق کی امامت ہیں فاطمہؑ

ہے ان کی ذات طعنۂ اغیار کا جواب
نسلِ رسولِ حق کی ضمانت ہیں فاطمہؑ

منہ پھیر لیں ہم آپ کے در سے تو ہم کہاں
ہم آپ کی دعا کی بدولت ہیں فاطمہؑ

برحق ہے روزِ حشر مگر مجھ کو خوف کیا!
شاہدؔ کی ذمہ دارِ شفاعت ہیں فاطمہؑ

شعار آموزِ نسواں تیرا احساں ہے رسالت پر
کہ تیرا ہر عمل حجت ہے احکامِ شریعت پر

خدا کی رحمتیں ہوں اس نبی زادی کی تربت پر
فدا بچوں کو جس نے کر دیا بابا کی امت پر

جو دعوائے فدک کو منحصر سمجھے تھے دولت پر
یقیناً ان کو شک گذرا تھا پیغمبر کی نیت پر

اگر کچھ بحث ہے لوگوں میں اقدارِ شرافت پر
کوئی مضمون لکھ دو فاطمہؑ زہراؑ کی سیرت پر

عجب اک مسئلہ بہرِ عدو ہے ذاتِ زہراؑ بھی
برا کہنے کی جرات ہے نہ دل ٹھکتا ہے ت پہ

علیؑ کا مرتبہ اللہ اکبر، وہ یہ کہتے تھے
کہ مجھ کو ناز ہے بنتِ پیمبر کی رفاقت پر

نہ مانے کوئی لیکن قولِ پیغمبر سنا سب نے
کہ رہتے ہیں ملک مامور زہراؑ تیری خدمت پر

یقیناً ظلم ہے زہراؑ کی عظمت کو گھٹا دینا
خدا ضامن طہارت کا نبی شاہد سیادت پر

معاذ اللہ محتاجِ شہادت دعویٰ زہراؑ
ارے تو نہ مسلماں ہو کے شک قرآں کی آیت پر

دکھا دو معترض کو جھلکیاں کردارِ زہراؑ کی
زمانہ متفق ہو جائے گا مفہومِ عصمت پر

وہ منہ دیکھیں ذرا آئینۂ کردارِ زہراؑ میں
جنھیں دعویٰ ہے اے شاہد محمدؐ کی قرابت کا

"شعار آموزِ نسواں"

شعار آموزِ نسواں تیرا احساں ہے رسالت پر
کہ تیرا ہر عمل حجت ہے احکامِ شریعت پر

خدا کی رحمتیں ہوں اس نبی زادی کی تربت پر
فدا بچوں کو جس نے کر دیا بابا کی امت پر

جو دعوئ فدک کو منحصر سمجھے تھے دولت پر
یقیناً ان کو شک گزرا تھا پیغمبرؐ کی نیت پر

اگر کچھ بحث ہے لوگوں میں اقدارِ شرافت پر
کوئی مضمون لکھ دو فاطمہ زہراؑ کی سیرت پر

عجب اک مسئلہ بہرِ عدو ہے ذاتِ زہراؑ بھی
برا کہنے کی جرأت ہے نہ دل ٹھکتا ہے مدحت پر

علیؑ کا مرتبہ اللہ اکبر، وہ یہ کہتے تھے
کہ مجھ کو ناز ہے بنتِ پیمبرؐ کی رفاقت پر

نہ مانے کوئی لیکن قولِ پیغمبرؐ سنا سب نے
کہ رہتے ہیں ملک مامور زہراؑ تیری خدمت پر

یقیناً ظلم ہے زہراؑ کی عظمت کو گھٹا دینا
خدا ضامن طہارت کا نبیؐ شاہد سیادت پر

معاذ اللہ محتاجِ شہادت دعوئ زہراؑ
ارے توبہ مسلماں ہو کے شک قرآں کی آیت پر

دکھا دو معترض کو جھلکیاں کردارِ زہراؑ کی
زمانہ متفق ہو جائے گا مفہومِ عصمت پر

وہ منہ دیکھیں ذرا آئینۂ کردارِ زہراؑ میں
جنھیں دعویٰ ہے اے شاہد محمدؐ کی قرابت پر

محورِ چادرِ تطہیر

گھر سے نکلا ہوں درِ بنتِ پیمبرؐ کے لئے
کچھ ستاروں کی ضرورت ہے مقدر کے لئے

حق سے زہراؑ نے مانگا کبھی کچھ گھر کے لئے
گو دِ پھیلائی بھی تو دینِ پیمبرؐ کے لئے

آجتک ایک معمہ ہے یہ اکثر کے لئے
کیوں نبیؐ اٹھتے تھے تعظیم کو دختر کے لئے

صنفِ نسواں کی ضرورت تھی نظیرِ عملی
شرکتِ فاطمہؑ لازم تھی پیمبرؐ کے لئے

منفرد ایک لقب بنتِ نبیؐ کا ہے بتولؑ
جسم بھی پاک علاوہ روحِ مطہر کے لئے

سیدہؑ چادرِ تطہیر مبارک ہو تمہیں
حق تو یہ ہے کہ یہ چادر تھی اسی سر کیلئے

کیا انھیں ایک بھی گھر آلِ نبی کا نہ ملا
ڈھونڈتے پھرتے ہیں تفسیر جو کوثر کے لئے

خلد اگر ہو درِ زہراؑ سے فزوں تر تو چلیں
ترک کمتر کو کیا جاتا ہے برتر کے لئے

اہلِ محشر کی نظر آپ ہی بن جائے نقاب
اہتمام ایسا تو ہو بنتِ پیمبرؐ کے لئے

چرخ نے مانگ لیا عکسِ رُخِ بنتِ رسولؐ
حاجتِ نور تھی مہر و مہ و اختر کے لئے

کسقدر بڑھ گئی اب لذتِ اوراد و سجود
آگئیں بنتِ نبیؐ شرکتِ حیدرؑ کے لئے

حُبِ اولادِ نبیؐ، حبِ نبیؐ، حُبِ علیؑ
کتنا سرمایہ مرے پاس ہے محشر کے لئے

سایہ زہراؑ کی دعا کا رہے قائم شاہد
یہی دستارِ فضیلت ہے مرے سر کیلئے

پیکرِ عصمت

چشمِ ظاہر کی طرف اتمامِ حجت کیلئے فاطمہؑ بھیجی گئیں تجسیمِ عصمت کے لئے

مستحق ٹھہری نہ بابا کی وراثت کے لئے فرض تھی جس کی ولا اجرِ رسالت کے لئے

ذاتِ زہراؑ میں مشیت کو وہ مرکز مل گیا تھی ضرورت جس کی پرکارِ امامت کے لئے

فاطمہؑ نے غیر کیا خود خالقِ کونین سے کچھ نہ مانگا عمر بھر اپنی ضرورت کے لئے

کس قدر آسودہ ہیں آغوشِ زہراؑ میں حسینؑ رحل موزوں ہے یہ قرآنِ شہادت کے لئے

سیدہ ہیں اور تصور کربلائی جنگ کا مل گیا بی بی کو شغل اوقاتِ فرصت کے لئے

فاطمہ تھیں پیکرِ زینبؑ میں ہمراہِ حسینؑ فکر سازِ دہر کی ذہنی رفاقت کے لئے

ایک مرکز پر مرتب ہو کے زہراؑ بن گئے جن خصائل کی ضرورت تھی سیادت کے لئے

خونِ اصغرؑ، بازوئے عباسؑ، زینبؑ کی ردا فاطمہؑ کے پاس سب کچھ تھے شفاعت کے لئے

بارگاہِ سیدہؑ

رفعت نما ہے فاطمہؑ کی بارگاہ کا
اس در پہ ہر سلام رسالت پناہ کا

آلِ نبیؐ پہ شک بھی نہ کرنا گناہ کا
یہ مضحکہ ہے روحِ کتابِ الٰہ کا

گر اٹھ بھی جائے آنکھ کوئی جانبِ بتولؑ
پڑ جائے خود نگاہ پہ پردہ نگاہ کا

تارے کو کوئی کیسے اتارے خود اپنے گھر
معیار ہی عجیب ہے زہرا سے بیاہ کا

مولا کا لفظ کیوں نہیں اپناتے امتی
ترکہ نہیں ہے کیا یہ رسالت پناہ کا

زہراؑ بھی ہیں شریکِ عبادت علیؑ کے ساتھ
اب لطف ہی کچھ اور ہے ذکرِ الٰہ کا

تنقید پائے عصمتِ زہراؑ پہ جھک گئی
گوشہ کوئی ملا ہی نہیں اشتباہ کا

زہراؑ کے گھر میں بچوں کو جھولا جھلاتا ہے
جبریل رابطہ ہے جو بشر سے الٰہ کا

کیوں در بدر پھروں درِ زہراؑ کو چھوڑ کر
پامال کیوں کروں میں تقدس نگاہ کا

زہراؑ تو آفتاب ہیں فضہ کی شان دیکھ
روشن غبار بھی ہے طہارت کی راہ کا

زہراؑ سلام سورۂ کوثر قبول ہو
سہرا ہے تیرے سر پہ رضائے الٰہ کا

شاہد نظر ہٹے نہ درِ آلِ پاک سے
پہلا چراغ ہے یہ مودت کی راہ کا

شریکِ معتبر

مصطفیٰؐ، محبوبِ داور، رحمت اللعٰلمین
وجہِ تخلیقِ دو عالم، نازشِ دنیا و دیں

نقطۂ آغازِ ہستی، منزلِ مقصودِ کُن
کعبۂ ہر قلبِ زندہ، سجدہ گاہِ ہر جبیں

ایسا سچا، منکرِ حق بھی جسے صادق کہیں
دشمنِ جاں کو بھی جس پر اعتبار، ایسا امیں

اس کے دل کی ایک اک دھڑکن عناں گیرِ حیات
اس کے لب کی ایک اک جنبش مشیت آفریں

اس کا پیغام آدمیت اس کا مسلک ارتقا
اس کا مذہب دینِ حق ایمانِ کامل اس کا دیں

اس کے در کی جبہ سائی، خوفِ محشر سے نجات
اس کے دامن کا تمسک، ضامنِ خلدِ بریں

فیصلہ اس کا مزاجِ کبریا کا فیصلہ
انحراف اس سے صلائے قہرِ رب العالمین

اس کا نائب باب شہرِ علم، امیر المومنین
اس کی بیٹی فاطمہؑ، فخر النساء العالمین

اور ان دونوں کا عقد، اک واقعہ تاریخ ساز
منفرد اک عقد جس کا مثل ممکن ہی نہیں

عقد جس کا حکم پیغمبر کو خالق سے ملا
عقد جو تکمیل کو پہنچا سرِ عرشِ بریں

عقد جس نے شبرؑ و شبیرؑ بخشے دہر کو
عقد جس کی زینبؑ و کلثومؑ سے چمکی جبیں

عقد جو مقصودِ پیغمبر، رضائے کردگار
عقد جو تا حشر دینِ حق کی حرمت کا امیں

عقد جس کا ماحصل، آغازِ آلِ مصطفےٰؐ
عقد جو وجہ بقائے دینِ ختم المرسلیں

عقد جو ہر زاویئے سے اک مکمل عقد تھا
اور ابھی اک عقد کا طالب تھا لیکن نظمِ دیں

عقد جو محسوس ہونے دے نہ زہراؑ کی کمی
عقد جو ٹھہرا سکے قلبِ امیر المومنیں

عقد جو شبیرؑ و شبرؑ کو سہارا دے سکے
عقد جو چمکا سکے کلثوم و زینب کی جبیں

عقد جو شبیرؑ کے بازو کو قوت دے سکے
عقد جو پیدا کرے عترت کی حرمت کا امیں

عقد جو سقا سکینہ کو مہیا کر سکے
عقد جو بخشے علمدارِ سپاہِ شاہِ دیں

عقد جو تنہائیِ صغرا کا مونس بن سکے
عقد جو بن جائے بہرِ چشمِ عابدؑ آستیں

اک ضرورت، اک مشیت، اک قضا اک امرِ حق
ایک عقدِ ناگزیر، اک منزلِ تکمیلِ دیں

اک شریکِ معتبر اس عقد کو درکار تھا
جستجو میں جس کی تھی چشمِ امیر المومنین

اک مکمل پیکرِ نسوانیت، جانِ ضیا
صرف صورت ہی نہیں سیرت کے رخ سے حسیں

ایک عورت، صرف اک عورت، مگر اتنی عظیم
جس پہ حیدرؑ کو بھروسا ہو، مشیت کو یقیں

جس کی رگ رگ میں رواں ہو جوہرِ مہر و وفا — جس کے خوں کا قطرہ قطرہ ہو شرافت کا امیں

بطن سے جس کے وہ خورشیدِ شجاعت ہو طلوع — جس کی ضو سے جگمگا اٹھے وفا کی سرزمیں

شبرؑ و شبیرؑ جس کو پیار سے ماں کہہ سکیں — زینب و کلثوم سمجھیں سیدہؑ کی جانشیں

جس کے حسنِ تربیت پر ہو علیؑ کو اعتماد — چوم لے جس کے قدم زہراؑ کے حجرے کی زمیں

جس کے دامن کی ہوا میں سانس لے نفسِ نبی — جس کے سائے میں پلیں تاجِ امامت کے نگیں

آخرِ کار ایک پیکر پر رکی چشمِ علیؑ — جس میں یہ سب عظمتیں حسبِ ضرورت جمع تھیں

انتخاب اور وہ بھی چشمِ مرتضیٰ کا انتخاب — اس سے بڑھ کر اور کیا ہو مدحتِ ام البنین

گو نبی زادی نہیں حق تو مگر شاہد یہ ہے
یہ نبی زادوں کے گھر میں اجنبی لگتی نہیں

شکستِ تضاد

بگڑ نہ جائے کہیں سارے قافلے کا چلن
کہ خضرِ راہ بنے ہیں چھپے ہوئے رہزن

سمجھ رہے ہیں اسے لوگ منزلِ مقصود
نظر کی حد پہ جو ہے گردِ راہ کی چلمن

سموم چلتی ہے شام و سحر بجائے صبا
گلوں کے نام سے کانٹے اُگا رہا ہے چمن

کسی کے لب پہ بجز آہِ سرد کچھ بھی نہیں
اگرچہ سوزشِ پنہاں سے پھنک رہا ہے بدن

کسی کسی کو ہے احساسِ گم رہی بھی تو کیا
بخوفِ جبرِ زمانہ نہیں مجالِ سخن

خموش ساتھ چلے جا رہے ہیں اس ڈر سے
کہ چھوٹ نہ جائے کہیں احتیاط کا دامن

ضمیر و فکر پہ ہیں جبرِ وقت کی مہریں
زبان و قلب پہ ہے ضبطِ آہ کی قدغن

جوابِ حسرتِ منزل رسی ہے قیدِ گراں
سزائے جرأتِ اعلانِ حق ہے دار و رسن

ہر ایک آنکھ ہے مفلوجِ آنسوؤں کی چتا
ہر ایک دل ہے ضمیر و شعور کا مدفن

یہی فضا تھی علیؑ جب اٹھے تھے دنیا سے
اسی فضا میں امامت ہوئی سپردِ حسنؑ

عجیب عہدِ تضاد آزما تھا دورِ حسنؑ
زباں زباں پہ قصیدے نظر نظر دشمن

ہر اک صدا میں عقیدت ہر اک نفس میں عناد
ہر ایک لب پہ تبسم ہر اک جبیں پہ شکن

نظر نظر سے نمایاں نگاہ و دل کا تضاد
سبھی خلوص کے پیکر سبھی وفا دشمن

یقینِ غیر تو کیا اپنا اعتماد نہ تھا
عدو کا ذکر تو کیا اپنی ذات سے بدظن

ادھر تھی عزم شکن راہِ حق کی دشواری
ادھر تھی دام کشا اخذِ مال و زر کی لگن

مسافروں کے قدم لڑکھڑائے جاتے تھے
ہر ایک گام پہ ڈستی تھی حرص کی ناگن

حرم کی سمت سنور کر بڑھے تھے بُت خانے
لباسِ راہبری میں اٹھے تھے کچھ رہزن

یہ دورِ سخت اور اس میں امامِ وقت کا فرض
یہ سنگ باریٔ پیہم اور ایک قلبِ حسنؑ

جہادِ فکر بہ یک وقت دو محاذوں پر
دفاعِ دینِ نبی سدِّ بابِ زور و فتن

پھر اس پہ شرط کہ تلوار کھینچ نہ سکتی تھی
کہ تھا ابھی رخِ باطل پہ دین کا دامن

ابھی نفاق نہ آیا تھا کفر کی حد میں
ہٹی نہ تھی درِ بُت خانہ سے ابھی چلمن

ابھی برائے حسنؑ کربلا کا وقت نہ تھا
مگر نگاہ کی حد پر تھی کربلا روشن

ابھی حسینؑ کو جس راہ سے گزرنا تھا
وہ راہ کرتی تھی ہموار خامشیٔ حسنؑ

بھڑکتے شعلوں پہ خونِ جگر چھڑکنا تھا
بچا رہے تھے سلگتے شرار سے دامن

امامِ وقت نے فتنے کو یوں خموش کیا
کہ جیسے داب لے چٹکی میں کوئی سانپ کا پھن

کہیں بھی پیکرِ ایماں پہ وار کر نہ سکی
ہزار کھاتی رہی بل نفاق کی ناگن

طریقِ کار بہ فحوائے وقت تھا ورنہ
جو تھا حسینؑ کا مسلک وہی شعارِ حسینؑ

دفاعِ دینِ نبی اقتضائے وقت کے ساتھ
خود اپنی ذات میں اک کربلا تھی صلحِ حسینؑ

کربِ تنہائی

اس کی محفل اور محفل میں کوئی اس کا نہیں — ہائے وہ تنہا جو عرفِ عام میں تنہا نہیں
وہ بھری محفل مگر سب بے نیازِ یک دگر — جیسے اک رشتے میں مربوط اور کوئی رشتہ نہیں
دیکھنے میں ربطِ باہم، فکر میں باہم گریز — سب کی نظریں مل رہی ہیں دل مگر ملتا نہیں
وہ جزیرے گوشے گوشے میں مفادِ ذات کے — کتنی دنیائیں ہیں اس محفل میں اک دنیا نہیں
سب کے غم یکساں مگر سب خود فریبی پر مصر — ہر طرف پردے ہی پردے اور کوئی پردہ نہیں
گفتگو محتاط، ماتھوں پر شکن، نظروں میں رم — جیسے سب دشمن ہیں محفل میں کوئی اپنا نہیں
بے یقینی کی فضا میں کاوشِ حفظِ مفاد — کوئی کب کیا رخ بدل لے کوئی اندازہ نہیں
یہ فضائیں اور امامِ وقت کا فرضِ اہم — حفظِ دیں کی سخت منزل اور کوئی رستہ نہیں
دین میں تحریفِ پیہم ساتھیوں میں بددلی — خامشی بھی بے محل اور جنگ بھی زیبا نہیں
مصلحت قفلِ زباں، دینِ پیمبر دادخواہ — گفتگو ممنوع اور خاموش رہ سکتا نہیں
دل کی باتیں دل میں پنہاں کفر پر دیں کا نقاب — ذوالفقارِ حیدری کا وقت ابھی آیا نہیں
کیا کرے اس بندِ طوفاں میں محافظ دین کا — ایک صلحِ باوقار اس کے سوا رستہ نہیں

ن بچ جائے اصولوں پہ نہ آئے کوئی حرف
خود پہ کچھ بھی بیت جائے پھر کوئی پروا نہیں

وں مسل ڈالا امامِ وقت نے فتنے کا ناگ
لاکھ بل کھائے مگر ایماں کو ڈس سکتا نہیں

جس کی نظروں میں قضائے وقت کا نقشہ نہیں
اس کو کربِ مجتبیٰؑ کا کوئی اندازہ نہیں

خود نگر دنیا نے اس رخ سے کبھی سوچا نہیں
حفظِ ایمانی مفادِ ذات کا سودا نہیں

صلحِ پیغمبرؐ، علیؑ کی خامشی، صلحِ حسنؑ
یہ تسلسل کیوں زمانے کو نظر آتا نہیں

ردِ باطل، حفظِ ایماں، قطعِ دنیا، ترکِ ذات
چشمِ بینا شرط ہے صلحِ حسنؑ میں کیا نہیں

یہ تو سوچ اے معترض، صلحِ حسنؑ کی شکل میں
خود عدو نے ہر اصولِ دیں کو مانا یا نہیں

تولنے والے سیاسی وزنِ کردارِ حسنؑ
یہ سمجھ پہلے کہ کیا ہے دینِ حق اور کیا نہیں

آلِ احمدؐ کو سیاست کی ترازو میں نہ تول
دین کے ماحول میں گنجائشِ دنیا نہیں

کس قدر باطل شکن تھی ضربِ صلحِ مجتبیٰؑ
اب رخِ سفیانیت پر ایک بھی پردہ نہیں

کاش اس آئینے میں روئے کربلا بھی دیکھ لے
زعمِ باطل ہے کہ اب شاید کوئی فردا نہیں

اس کی قسمت میں نہیں عرفانِ کردارِ حسنؑ
جس نے اندازِ شعارِ مصطفیٰؐ سمجھا نہیں

بچپنے ہی میں حسنؑ کو دیکھ کر کہتے تھے لوگ
مصطفیٰؐ جیسا ہے یہ بچہ علیؑ جیسا نہیں

سقفِ سازِ حرم

ولائے آل کی قامت ہے اسکا پیمانہ
کہ کس نے قولِ نبی کتنا معتبر جانا

بس اس خطا پہ بڑھا صلح کا یہ افسانہ
کہ کیوں حسنؑ کی نظر نے دلوں کو پہچانا

ہیں جتنے آئینے، اتنے ہی نام جلوہ ایک
عجب ہے میری عقیدت کا آئینہ خانہ

وہ کربلا ہو کہ صلحِ حسنؑ، بس اک آواز
کہ دستِ مرگ پہ لکھے زندگی کا افسانہ

حدیبیہ ہی کا پرتو تھی صلحِ شبرؑ بھی
یہاں بھی اپنے نواسے کے ساتھ تھے نانا

حسنؑ کو صلح کے ظاہر سے ناپنے والو
یہ سطحِ فکر نہ معیار ہے نہ پیمانہ

حسنؑ کے لب کا تبسم تو سب نے دیکھ لیا
حسنؑ کی روح کے زخموں کو کس نے پہچانا

علیؑ ہوں یا حسنِؑ مجتبیٰ ہوں یا شبیرؑ
شعارِ آل رہا سلطنت کو ٹھکرانا

کیا ہے صلح نے سایہ کہ تازہ دم ہو لیں
ہے قافلے کو ابھی تا بہ کربلا جانا

اب اس رفاقتِ مبہم کو کیا کہے کوئی
کہ لب پہ حرفِ محبت، نظر حریفانہ

حسنؑ ہیں کل کی بصیرت حسینؑ آج کا عزم
یہ سقفِ سازِ حرم وہ شکستِ بت خانہ

نقابِ دین پہ تلوار کس طرح اٹھتی
حرم کی اوٹ پہ بیٹھا ہوا تھا بت خانہ

ہر ایک شرط سے یہ کہہ گئی تھی صلحِ حسنؑ
کہ وقت آئے تو تلوار میں بدل جانا

نقابِ صلحِ حسنؑ عہدِ کربلا سے اٹھا
حقیقتوں کی جھلک لے اڑا تھا افسانہ

حریفِ صلح پہ نازاں ہے یہ نہیں معلوم
کہ بجلیوں پہ رکھی ہے بنائے کاشانہ

یہ کیا ہے گر نہیں اعجازِ مجتبیٰ شاہد
کہ حفظِ کعبہ کا ضامن ہو خود صنم خانہ

سبطِ اکبر

حسنؑ کی صلح جب تنقید کی منزل میں آتی ہے
نہ جانے کیوں حُدیبیہ کو دنیا بھول جاتی ہے

صداقت جب ریا کی ظلمتوں میں ڈوب جاتی ہے
امامت خونِ دل سے مشعلِ ایماں جلاتی ہے

حسنؑ کو گود میں لے کر نبوت مسکراتی ہے
ہر اک جنبش ہوا کی سورۂ کوثر سناتی ہے

رہِ ترک و طلب پر جب بھی دنیا ڈگمگاتی ہے
حسنؑ کی یاد آتی تھی حسنؑ کی یاد آتی ہے

حسنؑ کی صلح میں یوں کربلا جلوہ دکھاتی ہے
حدیبیہ میں جیسے فتحِ مکہ جگمگاتی ہے

سلاحِ جنگ جب ماں جسمِ قاسم پر سجاتی ہے
حسنؑ کی حسرتِ تیغ آزمائی مسکراتی ہے

جہادِ سیف سے آگے ہے جہدِ نفس کی منزل
وہاں بازو یہاں دل کی صلابت دیکھی جاتی ہے

علیؑ کی خامشی، زہراؑ کی حسرت، صلحِ شبّرؑ کی
یہ وہ اجزا ہیں جن سے کربلا ترتیب پاتی ہے

مقام اک یہ بھی ہے علمِ امامت کے تصرف کا
کہ خود باطل کو ایماں کی حفاظت سونپی جاتی ہے

مجاہد سایۂ صلحِ حسنؑ میں سانس لیتے ہیں
بس اب اگلے قدم پر کربلا بھی آ ہی جاتی ہے

کہاں قاسم کہاں ارزق مگر انجام تو دیکھو
کچھ اس میں روحِ شبّرؑ کی توجہ پائی جاتی ہے

بڑا ہو کر امامِ وقت بن جائے تو حیرت کیا
وہ بچہ عصمتِ کبریٰ جسے جھولا جھلاتی ہے

حسنؑ ترتیب دیتے ہیں اصولِ دین کا محضر
نبی کی خواہشِ تحریر اب تکمیل پاتی ہے

شکستِ فاش سمجھا ہے زمانہ صلحِ شبرؑ کو
زمانے کی فراست پر امامت مسکراتی ہے

جہاں سے ابتدا ہوتی ہے سفیانی حکومت کی
وہیں تک جبر و استبداد کی تاریخ جاتی ہے

ہمک کر یوں حسنؑ آئے ہیں آغوشِ طہارت میں
کہ جیسے گود میں قرآں کے آیت مسکراتی ہے

منافق روپ دھارے تھا جو اب تک مکرِ سفیانی
حسنؑ کی صلح اس کی صورتِ اصلی دکھاتی ہے

جہاں ہوتی ہے تیغِ ظلم سے تاویل قرآں کی
امامت اپنے خوں سے وہ غلط فہمی مٹاتی ہے

خلوصِ دل سے جب لیتا ہوں نامِ مجتبیٰ شاہد
درودوں کی صدا ہر سو فضائے دل سے آتی ہے

بصیرت کا اُفق

لپیٹی یوں امامِ وقت نے ایماں کی پہنائی
کہ کُل کی کُل شریعت ایک محضر میں سمٹ آئی

ہوئی کیا کیا نہ صلحِ مجتبیٰؑ پر فکر پیمائی
جہانِ فتحِ مبیں میں کس نے ناپی دل کی گہرائی

کوئی اس صاحبِ محفل کے دل کا درد کیا جانے
جسے محسوس ہوتی ہو بھری محفل میں تنہائی

حسنؑ کی خامشی وہ خامشی تھی سطحِ قلزم کی
کہ جس کی تہ میں طوفانِ قضا لیتا تھا انگڑائی

تصور میں پیمبرؐ تھے، حدیبیہ کا منظر تھا
بصیرت کے افق پر مجتبیٰؑ کی شکل ابھر آئی

رُکے تھے سایۂ صلحِ حسنؑ میں کربلا والے
کہ ضربِ آخری میں صَرف ہو پوری توانائی

ہوا زہراؑ کے گھر آغازِ شرحِ سورۂ کوثر
حسنؑ کی شکل میں ابھری کلامِ حق کی سچائی

وہی گھر جس میں کل اترا تھا قرآں حکمِ حق لے کر
اسی میں آج اک قرآں کی صورت پھر اتر آئی

شمارِ حق رہا اتمامِ حجت جنگ سے پہلے
گذاری منزلِ صلحِ حسنؑ تب کربلا آئی

امامت تک پہنچ کر بھی نہ پہنچے وہ امامت تک
حکومت کے اندھیرے کھا چکے تھے جن کی بینائی

Prof. SHARIB RUDAULVI COLLECTION

حسنؑ کو یوں دیا فضہ نے آغوشِ پیمبر میں ـــ کہ جیسے حور کوئی عرش سے پیغامِ رب لائی
شکستِ عزم سمجھا جا رہا تھا صلحِ شبرؑ کو ـــ امامت ہنس رہی تھی دیکھ کر دنیا کی دانائی
مرتب یوں کیا فکرِ حسنؑ نے صلح کا محضر ـــ کہ روحِ کربلا ہر شرط میں لیتی تھی انگڑائی
وہی ساتھی وہی ذہنوں کے شک ویسے ہی اندیشے ـــ حسنؑ کی صلح میں روحِ حدیبیہ سمٹ آئی
خلوصِ دل سے جب بھی لے لیا نامِ حسنؑ میں نے ـــ فرازِ روح سے پھر دل درودوں کی صدا آئی

مجھے محسوس یوں ہوتا ہے قنبرؑ کی غلامی میں
کہ جیسے مل گئی شاہدؔ زمانے بھر کی دارائی

بھری محفل میں تنہا

تبسم دیکھنے والو حسنؑ کا دل بھی دیکھا ہے
یہ اپنے گھر میں پردیسی، بھری محفل میں تنہا ہے

خدا والوں کی محفل ہے حسنؑ کا ذکر ہوتا ہے
یہیں رفتارِ نبضِ وقت رک جائے تو اچھا ہے

ہے اب بھی کربلا ممکن مگر مجبور ہیں شبّرؑ
رخِ ایماں پہ اب تک ظاہری ایماں کا پردہ ہے،

تعالی اللہ اے علمِ امامت تیری گیرائی
کہ کتنے مختصر محضر میں کل ایماں سمیٹا ہے

جہادِ سیف سے آگے ہے جہدِ نفس کی منزل
یہاں بہتا نہیں گردن سے خوں ہونٹوں پہ رہتا ہے،

رکے ہیں سایۂ صلحِ حسنؑ میں کربلا والے
یہ قبلِ ضربِ آخر دین دم لینے کو ٹھہرا ہے

دبایا تھا جسے سینے پہ پتھر رکھ کے شبّرؑ نے
وہ جذبہ پیکرِ قاسم میں طوفاں بن کے ابھرا ہے

حسنؑ کی صلح پر ہر رخ سے تنقیدیں ہوئیں لیکن
حسنؑ کے دل کی گہرائی کو کس ناقد نے ناپا ہے

شہادت ہے خدا کی راہ میں جاں نذر کر دینا
رہِ تسلیم میں مرگِ مسلسل کا صلہ کیا ہے

حسینؑ کی سمت اشارہ کر دیا تاریخِ عالم نے — نگاہیں ڈھونڈتی تھیں ضبطِ غم کی انتہا کیا ہے
ہمک کر اپنے جد کی گود میں یوں مجتبیٰؑ آئے — نبی کے دل پہ جیسے عرش سے قرآن اترا ہے
ہے اب مجبورِ باطل خوبیٔ ایماں کی حفاظت پہ — جو ہو علمِ امامت حرف یوں تلوار بنتا ہے
حسنؑ سوئے برادر مسکرا کر دیکھ لیتے ہیں — کوئی جب صلح نامے کو شکستِ عزم کہتا ہے
حسینؑ ہیں گود میں پڑھتی ہیں زہراؑ سورۂ کوثر — یہ حرفِ اولیں تفسیر کی منزل میں آیا ہے

حسنؑ بے ساختہ ایسے میں یاد آتے ہیں اے شاہد
کوئی جب سچ کو جھوٹ اور دن کو کالی رات کہتا ہے

آیت کا تبسم

حسنؑ آئے اک آیت مسکرائی عطائے حق نے کی کوثر نمائی

نہ تیغ اٹھی نہ دیں پر آنچ آئی امامِ وقت کی معجز نمائی

یہ کیا کم ہے کمالِ نا خدائی کہ طوفاں ہی نے خود کشتی بچائی

مورخ دیکھ قاسم بن کے آئی حسنؑ کی حسرتِ تیغ آزمائی

گماں کے سائے تھے صلحِ حسنؑ پر حدیبیہ اُفق پر جگمگائی

نہ دیکھا آل نے دنیا کی جانب بدل کر کیسے کیسے بھیس آئی

نبی کی آل اہلِ حق کا قرآں حسنؑ قرآں کا حرفِ ابتدائی

حسنؑ کی صلح پر تھے دُہرے پردے دلوں کے شک، نظر کی نارسائی

حکومت کو وہ کیا خاطر میں لائے ملک کرتے ہوں جس گھر کی گدائی

حسنؑ کی صلح کا سایہ تھا دیں پر یہ سایہ ہٹ گیا تب دھوپ آئی

علیؑ کا شیر ڈر کر صلح کرتا ارے تو یہ نظر کی نارسائی

جہاں جس شکل میں ممکن ہو شاہدؔ

مزاجِ آل ہے مشکل کشائی

پس منظر

طرح: مدحِ حسنؑ میں نعتِ نبی کا مزا ملا

دنیا کو جن سے تحفۂ دینِ خدا ملا
دنیا بتائے خود انھیں دنیا سے کیا ملا

محفل میں جس طرف بھی اٹھی چشمِ مجتبیٰؑ
عالم دلوں کا سب کی جبیں پر لکھا ملا

خود یہ سوال صلحِ حسنؑ کا جواب ہے
صلحِ حدیبیہ سے پیمبر کو کیا ملا

خوش ہے خدا کا دین کہ زہراؑ کی گود سے
اور اک صحیفہ بولتے قرآن کا ملا

بین السطور صلحِ حسنؑ پر جو کی نظر
ایک ایک حرف نقش گرِ کربلا ملا

شکلِ حسنؑ کو دیکھ کے کہتی تھیں سیدہؑ
اللہ اس کا نقشہ تو بابا سے جا ملا

حدِّ نظر میں آ گئے سفیانیت کے داغ
صلحِ حسنؑ کی شکل میں وہ آئینہ ملا

دیکھا تو کتنے لوگ حسنؑ کے قریب تھے
پرکھا تو قربتوں میں بڑا فاصلہ ملا

زہراؑ کا گھر ہے یہ کہ رسالت کا آئینہ
جو بھی ملا یہاں وہ محمدؐ نما ملا

پیدائشِ حسنؑ پہ ملک پڑھتے ہیں درود
شاہدؔ خموش کیوں ہے صدا میں صدا ملا

جہادِ نفس

نسوں کا مضحکہ شاید علاجِ غم نہیں ہوتا — مسلسل ہنس رہا ہوں درد پھر بھی کم نہیں ہوتا

بان و دل میں جب تک ربط مستحکم نہیں ہوتا — کسی فقرے میں جذب و کیف کا عالم نہیں ہوتا

عبت نام ہے روحوں کے مل کر سانس لینے کا — فقط الفاظ سے عہدِ وفا محکم نہیں ہوتا

بہت کچھ منحصر ہے اعتمادِ میرِ محفل پر — ہر اہلِ بزم رازِ بزم کا محرم نہیں ہوتا

ہر اک سازِ شکستہ سے صدا پیدا نہیں ہوتی — ہر اک ٹوٹا ہوا دل سازگارِ غم نہیں ہوتا

نہ ہو مانوس گر چشمِ مسافر حسنِ منزل سے — تو منزل پر پہنچ کر بھی تجسّس کم نہیں ہوتا

مفادِ ذات کے پردے پڑے ہوں جب نگاہوں پہ — تو عرفانِ صداقت قسمتِ آدم نہیں ہوتا

نہ ہو گر رخ سوئے منزل تو بھٹکاتی ہیں نظروں کو — وہ راہیں بھی بظاہر جن میں پیچ و خم نہیں ہوتا

غلط تاویل کر لیتی ہے فکرِ خام انساں کی — اگرچہ کوئی حرفِ آگہی مبہم نہیں ہوتا

نہ جانے کس قدر اسرار ہیں اک ایک ذرے میں — بشر جن کا بغیرِ اذنِ حق محرم نہیں ہوتا

نہ جانے کتنی جنگوں کے نتیجے وقت نے بدلے — کہ فاتح مٹ گیا مفتوح کا سر خم نہیں ہوتا

نہ جانے کتنے قاتل ہیں جو خود کو قتل کرتے ہیں — نہ جانے کتنے خنجر ہیں کہ جن میں دم نہیں ہوتا

بدل دیتا ہے دھارا وقت کا کتنے اصولوں کو — دلِ انساں کا ہر فیصلہ محکم نہیں ہوتا

مگر اہلِ نظر تہ کی حقیقت جان لیتے ہیں کوئی منظر بصیرت کے لئے مبہم نہیں

حدیبیہ میں نظریں فتحِ مکہ دیکھ لیتی ہیں غلافِ صلح میں تیغوں کا پانی کم نہیں

حصارِ صلحِ شبرؑ میں چراغِ جہدِ شبیریؑ غبارِ وقت کے پردے میں بجھا مدھم نہیں

ہیں صلح و جنگ دونوں زاویئے تدبیرِ منزل کے کسی کا پلّہ عظمت کسی سے کم نہیں

کسی نبض آشنائے وقت کی انگشت سے پوچھو قلم میں ہے جو طاقت تیغ میں وہ دم نہیں

حدیبیہ نے کعبہ بخش کر حق کو یہ قوت دی کہ اب صرصر کی زد پر چشمۂ زمزم نہیں

حسنؑ کی صلح نے دینِ خدا کو کربلا بخشی کہ پرچم جس کا اب تا دورِ ہستی خم نہیں

حسنؑ کی خامشی کو سطح بیں نظریں غلط سمجھیں جھکا دے جس کو باطل حق کا وہ پرچم نہیں

کسی مشکل میں اہلِ حق کا سر جھکتے نہیں دیکھا پہاڑ اپنی جگہ پر ٹوٹ جائے خم نہیں

مگر اہلِ نظر اس بزم میں خاموش رہتے ہیں خلوصِ دل جہاں لفظ و بیاں میں ضم نہیں

بھٹکتی ہیں جہاں اپنوں کی نظریں یا یہ شک میں جہاں رہبر پہ رہرو کا یقیں محکم نہیں ہو

جہاں قرآں کی تاویل تلواروں سے ہوتی ہے جہاں دیں کا مبلغ دین کا محرم نہیں ہو

جہاں ذہنوں کو ڈستے ہیں سنہری ناگ مایا کے جہاں احساسِ حق میزانِ بیش و کم نہیں ہو

ہوا کے رخ پہ جو مڑ جائیں ان کمزور شاخوں پر بنا بھی لیں نشیمن گر تو مستحکم نہیں ہو

نگاہِ سطح بیں نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا جہادِ نفس جہدِ سیف سے کچھ کم نہیں ہو

جہادِ سیف کا پرچم تو دنیا دیکھ لیتی ہے جہادِ نفس کا لیکن کوئی پرچم نہیں ہو

جہادِ نفس نازاں ہے حسنؑ کی فکر پر شاہدؔ
بشر آشنا مزاجِ وقت کا محرم نہیں ہوتا

پسِ منظر

کسی پر اعتبار اس صاحبِ محفل کو کیا آئے
جہاں ہر آنے والا عذرِ رخصت ڈھونڈتا آئے

وہ نظریں کس کو اپنائیں جنھیں حسرت ہی رہتی ہو
خلوصِ دل کہیں مہکے کہیں بوئے وفا آئے

کوئی اس باغ کے مالی کی ذمہ داریاں دیکھے
جہاں بادِ سموم اکثر بہ اندازِ صبا آئے

طلاقت کیا کرے تالے پڑے ہوں جب زبانوں پہ
طلب کیا ہو جہاں خوں ہو کے لب پر مدعا آئے

عجب کیا گر وہاں مفہومِ خیر و شر بدل جائے
جہاں ناداں کہیں کوئی اگر حق آشنا آئے

بصیرت اس شبستاں سیہ کاری میں کیا جو نکلے
جہاں نظریں اٹھاتے خود بصارت کو حیا آئے

صداقت پر جہاں تاویلِ ناجائز کے گھن برسیں
تعجب کیا وہاں گر حق پہ الزامِ ریا آئے

معاذ اللہ کرب اس بزمِ افسردہ کے مالک کا
جہاں دشمن تو دشمن دوست بھی دل توڑتا آئے

امامِ وقت کیونکر سانس لے اس حبسِ پیہم میں
نگہبانِ شریعت کو سکوں ایسے میں کیا آئے

جو چپ بیٹھیں تو اقدار و اصول آواز دیں اسکو
زباں کھولے تو ہر جانب سے طعنوں کی صدا آئے

کمر بستہ دغا پر ہو تو اہلِ شر کی یورش میں
جو دو چار اہلِ حق باقی ہیں ان کو بھی گنوا آئے

اور اس کے بعد بھی تنقیدِ بے جا کے شرر برسیں
کہ حضرت بہرِ دنیا نظمِ ملت کو گنوا آئے

کہا جائے مخالف لاکھ نماصب ہو مسلماں ہے
مسلماں کیوں مسلماں کے مقابل برملا آئے

یہ عالم ہو جہاں کج بینئ چشمِ مسلماں کا
جہاں اپنوں کی جانب سے بھی الزامِ خطا آئے

امینِ شرع کا اقدام پھر اس کے سوا کیا ہے
اصولوں کو بچا لے پھر جو آنی ہو بلا آئے

حسنؑ کے پاس بھی آخر علیؑ ہی کی نگاہیں تھیں
نہ جانے ایک چپ سے کتنے فتنوں کو دبا آئے

لباسِ صلح میں تھا اک لباسِ آہنی گویا
سلیقے سے اسے دیوارِ کعبہ پر چڑھا آئے

وہ چادر تھی یہ صلحِ باوقار اتمامِ حجت کی
کہ جس سے چھن کے لوگوں تک صداقت کی ضیا آئے

کیا تعمیر ایسا پل ضلالت کے سمندر پر
کہ جس پر چل کے پورے دبدبے سے کربلا آئے

حسنؑ نے بازوئے شبیرؑ پر تعویذ باندھا تھا
کہ رد ہوتی رہے ظلماتِ شر سے جو بلا آئے

بجھا کر اپنی محفل کا چراغِ آرزو مولا
نہ جانے کتنی شمعیں جادۂ حق میں جلا آئے

یہ ہے بزمِ ولادت آج اس خورشیدِ دانش کی
جو اس محفل میں آئے اپنے دل کو تو لتا آئے

مطلعِ ثانی

ہمک کر اپنے جد کی گود میں یوں مجتبیٰؑ آئے — کہ جیسے عرش سے قرآں نبیؐ کو ڈھونڈتا آئے
وہ ہستی میں اکثر مرحلے صبر آزما آئے — حسنؑ یاد آئے ہر اس مرحلے پر بارہا آئے
علیؑ کے گھر کی جانب آج جب بادِ صبا آئے — تو رستے بھر کے سفیانی چراغوں کو بڑھائے
اگر لب پر خلوصِ دل سے نامِ مجتبیٰؑ آئے — فرازِ روح سے پہروں درودوں کی صدا آئے
حسنؑ حرفِ سرِ آغاز ہے تفسیرِ کوثر کا — جسے قرآں سمجھنا ہو علیؑ کے گھر چلا آئے
منارہ نصب ہوگا اب یہاں اتمامِ حجت کا — محاذِ صلح پر معمارِ راہِ کربلا آئے
تڑپ کر آ گیا بے ساختہ نامِ حسنؑ لب پر — جہاں ترکِ طلب کے موڑ پر اہلِ صفا آئے

ضروری تھا سرِ میدانِ جہادِ کربلا شاہدؔ
کہ لوگوں کی سمجھ میں رازِ صلحِ مجتبیٰؑ آئے

پہلی بار

رسولؐ خوش متبسم ہیں حیدرِؑ کرار
بہارِ باغِ رسولؐ اور وہ بھی پہلی بار

حسنؑ کے روپ میں ہے تین عصمتوں کا نکھار
نبیؐ کی شکل، علیؑ کی نظر، بتولؑ کا پیار

تھا کب سے آمدِ شبّرؑ کا منتظر قرآن
کہ ہو صداقتِ کوثر کا اولیں اظہار

تھپک کے صلحِ حسنؑ نے سلا دیا فتنہ
کہ اتنی دیر میں ہو جائے کربلا بیدار

یہ کیا ہے گر نہیں اعجازِ فکرِ شبّرؑ کا
کہ ہے محافظِ دیں تھا جو دین کا غدار

امیرِ شام کو سبطِ نبیؐ سے نسبت کیا
کہاں حقیر سا اک ذرہ اور کہاں کہسار

حدیبیہ سے اٹھی یہ پہنچی تا بہ صلحِ حسنؑ
بلند ہو گی کہاں تک تشکوک کی دیوار

حسنؑ کی صلح پہ چہرہ بگاڑنے والو
تمہاری زد پہ تمہارے نبیؐ کا ہے کردار

بہارِ وفا

انوکھی یہ تاثیر ہے کربلا میں ہے اک ابتدا اس کی ہر انتہا میں
یہاں شمع بجھ کر بھی بجھتی نہیں ہے چمکتے ہیں جذبے دلوں کی ضیا میں
ابلتا ہے یاں آبِ خنجر سے کوثر بقا مسکراتی ہے موجِ فنا میں
کبھی ڈوبتے ہی نہیں یاں کے سورج یہاں صبح ہنستی ہے ہنستی ہیں شامیں
یہاں جذب وہ خون ہے غازیوں کا ہے جس کی تڑپ نبضِ دینِ خدا میں
وہ غازی وہ اصحابِ سبطِ پیمبرؐ جو تھے مستند دیدۂ مصطفےٰؐ میں
ہے خوں جن کا تسبیحِ زہراؑ کی نکہت جو شامل ہیں ہر اہلِ دل کی دعا میں
چنیدہ وہ چشمِ امامت کے موتی ہر اک منفرد اپنے رخ سے ضیا میں
دعا جن کو دیتے ہیں زینبؑ کے آنسو جو ہیں سایۂ چادرِ سیدہؑ میں
وہ چرخِ شریعت کے تابندہ تارے کہ نقطے ہوں جیسے کتابِ خدا میں
وہ تارے وہ افشاں جبینِ حرم کی بکھرتی ہے ضو جن کی دشتِ منیٰ میں
وہ تارے جو ہر دور میں تیر بن کر کھٹکتے رہے چشمِ اہلِ جفا میں
رہا فرض جن پر حرم کا تحفظ بتوں کے ہر اک دورِ ظلمت فزا میں
وہ تارے کہ ہے آج تک جن سے لرزہ خدایانِ باطل کے دستِ جفا میں

وہ تارے جو تاباں رہیں گے ابد تک
دل اہلِ ایمان و اہلِ ولا میں

یہ عالم ہے جب ان ستاروں کی ضو کا
جو ابھرے بھی ڈوبے بھی دشتِ بلا میں

تو اس ماہِ تاباں کا اندازہ کیجئے
یہ تارے چمکتے تھے جس کی ضیا میں

قمر آلِ ہاشم کا، عباسِ غازی
جو محور تھا اس کہکشانِ وفا میں

کہاں میں رہی جس کی خود آلِ زہرا
نہ تھا گو شمار اس کا آلِ عبا میں

جسے نو اماموں نے تعظیم دی ہے
وہ غیرِ امام اک صفِ اولیا میں

علمدار اور وہ بھی صرف ایک دن کا
مگر زندہ تا حشر چشمِ وفا میں

مسلسل دلاتا ہے یاد اس جری کی
یہ پرچم جو لہرا رہا ہے ہوا میں

گرا تھا جہاں مشک لے کر وہ سقہ
وہی اب بھی سرحد ہے ملکِ وفا میں

وہ شیدائے شبیرِ زہرا نے جس کو
شریک پسر کر لیا ماتم میں

مقید ہو کردارِ عباس کیوں کر
سیاہی کہاں اتنی لفظِ وفا میں

تفسیرِ کوثر

سیدہ تکتی ہیں رہ رہ کر حسنؑ کو پیار سے
کتنا ملتا ہے یہ بچہ احمدِ مختار سے

اطمہؑ کے گھر یہ کون آیا کہ ہوتی ہیں بلند
سورۂ کوثر کی آوازیں در و دیوار سے

یوں اُبھرتی ہے مرے احساس میں صلحِ حسنؑ
جیسے دیتا ہو اذاں کوئی فرازِ دار سے

س نے وہ تحریر لے لی، تھی جو مقصودِ رسول
اس نے بدلا بے لڑے انکار کو اقرار سے

نگ ہی کے ہیں یہ دو رخ جہدِ سیف و جہدِ نفس
ایک ہے مربوط خودداری سے اک ایثار سے

شاملِ آلِ نبی کر لو جسے چاہو مگر
دیکھ لینا تول کر کردار کو کردار سے

س طرح سمجھائیں شبرؑ بے ضمیر اصحاب کو
سر کو ٹکراتا رہے کب تک کوئی دیوار سے

دوستو کہہ تو رہے ہو صلحِ شبرؑ کو شکست
کیا حدیبیہ کو بھی ناپو گے اس معیار سے

پھر یہ کیا ہے گر نہیں اعجازِ فکرِ مجتبیٰؑ
خدمتِ حفظِ حرم لی دین کے غدار سے

یا نے اور کیا کہے ایسے رفیقوں سے کوئی
جب جھلکتا ہو رخِ انکار پر اقرار سے

نظر رکیت تک خطائے اجتہادی کا غلاف
جوشِ طوفاں رکتے ہو ریت کی دیوار سے

اس سے دل جڑتے ہیں شاہدؔ اُس سے کٹ جاتے ہیں سر
صلح کا نغمہ ہے بہتر تیغ کی جھنکار سے

حسینؑ ایک ادارہ

صناعِ کن کی صنعتِ کامل حسینؑ ہیں　　تخلیق کے شعور کا حاصل حسینؑ ہیں
فکرِ بشر کی آخری منزل حسینؑ ہیں　　اسلام کا دھڑکتا ہوا دل حسینؑ ہیں

وہ جس نے زندگی کا قرینہ سکھا دیا
یوں جان دی کہ لوگوں کو جینا سکھا دیا

جس کو زباں چسائی رسالت مآب نے　　سائے میں اپنے رکھا خدا کی کتاب نے
تعلیم دی مدینۂ حکمت کے باب نے　　پالا نبی کی دخترِ عصمت مآب نے

کھیلا بھی بچپنے میں تو حق کی لگن کے ساتھ
زینبؑ کے ساتھ وقت کٹا یا حسنؑ کے ساتھ

جو دورِ زندگی کو بدلتا چلا گیا　　طوفاں لہو سے جس کے ابلتا چلا گیا
جو ظالموں کے دل کو کچلتا چلا گیا　　سورج تھا ظلمتوں کو نگلتا چلا گیا

شک کے دھوئیں سے جس نے ابھارا یقین کو
سو آفتاب جس نے دیئے سرزمین کو

شبیرؑ ترجمانِ رسالت ہے آج بھی — خود اپنی ذات میں یہ شریعت ہے آج بھی
...ل جبر و قاطعِ ظلمت ہے آج بھی — شبیرؑ روشنی کی علامت ہے آج بھی

دورِ حیات و گردشِ حالات سے بلند
ہر بات میں زمانے کی ہر بات سے بلند

...یرِ دینِ حق ہیں حسینؑ اپنی ذات میں — منصب میں ہیں امام، نبی ہیں صفات میں
...کے جگر کا خوں ہے رگِ کائنات میں — یہ روح بن کے ابھرے ہیں نبضِ حیات میں

دورِ فلک کو ان کا تصور محال ہے
ان سے ملائے آنکھ اجل کیا مجال ہے

...یانِ رسول، پیکرِ ایماں حسینؑ ہیں — دینِ خدا حسینؑ ہیں قرآں حسینؑ ہیں
...نیا پہ کردگار کا احساں حسینؑ ہیں — ہر دور میں ضرورتِ انساں حسینؑ ہیں

ردِّ یزیدیت کا عظیم استعارہ ہیں
شبیرؑ اب ایک فرد نہیں اک ادارہ ہیں

ترتیبِ کربلا

ہمک کر آئے یوں شبیرؑ آغوشِ پیمبرؐ میں
نقوشِ کربلا کو دے اٹھے بچے کے تیور میں

نیا اک چاند اترا خانۂ بنتِ پیمبرؐ میں
اضافہ ہو گیا اک باب کا تفسیرِ کوثر میں

الٰہی کیا فرشتے اس کی تربت میں بھی آئیں گے
کٹی ہو جس کی ساری عمر مدحِ آلِ اطہر میں

دیا ترتیب شہ نے کربلا کو اس سلیقے سے
کہ پس منظر ابھر کر آ گیا خود پیش منظر میں

ہیں لاکھوں اہلِ شر، لرزاں مگر ہیں چند پیاروں سے
بہتّر لشکروں کا زور ہے اس ایک لشکر میں

جسے کچھ مانگنا ہو سیدھے یاں چلا آئے
ہوا کرتی ہے اکثر مجلسِ شبیرؑ اس گھر میں

نبیؐ بھی تھے حسینؑ اپنی جگہ، حیدرؑ بھی، شبرؑ بھی
نہ جانے کتنے جلوے جذب تھے اس ایک پیکر

ہے یثرب سے سفر، عباسؑ چنتے ہیں رفیقوں کو
ہے شاید علم انھیں بھی نام کس کس کے ہیں محضر میں

فرات اٹھ اٹھ کے تکتی ہے کہ پیاسے دیکھ لیں مڑ کر
ادھر کوثر کی موجیں کروٹیں لیتی ہیں خنجر میں

ابوطالب خدا نے آپ کو کیا کیا نہیں بخشا
امامت آپ کے گھر کی رسالت آپ کے گھر میں

نہ تھا مقصد اگر تذلیلِ اہلبیتؑ تو کیا تھا
کوئی ہیرے جواہر تو نہ تھے زینبؑ کی چادر میں

خوشی کا دن ہے شاید ساقیٔ کوثر کا لال آیا
الٹ دے کاش ساقی پورا کوثر میرے ساغر میں

عرفانِ کربلا

ے ناشناسِ اُسوۂ سلطانِ کربلا
عرفانِ لا اِلٰہ ہے عرفانِ کربلا

دمیں بدل رہے تھے شہیدانِ کربلا
بے جان ہو کے بنتے گئے جانِ کربلا

زادیٔ خیال کا شہرہ بہت ہے آج
آزادیٔ خیال ہے فیضانِ کربلا

ھ یوں لکھا گیا ہے کہ ہے ثبت آج بھی
پیشانیٔ شعور پہ فرمانِ کربلا

ھے حسب قدر مسائلِ لاحل حیات کے
سلجھا گئے حسینؑ بہ عنوانِ کربلا

ے ناتمام سجدۂ سرور ترے طفیل
کعبے سے جا کے مل گیا میدانِ کربلا

رفِ دعا ہے آج بھی ہر فکرِ خام سے
ننھا سا اک مجاہدِ میدانِ کربلا

کس کو نصیب تربیتِ حیدرؑ و بتولؑ
ممکن ہے اب حسینؑ نہ امکانِ کربلا

بازگشت

اب سے چودہ سو برس پہلے عرب کے دیس میں ایک قرآں دہر پر اترا البشر کے بھیس میں
عرش سے تا فرش موجِ نور لہرانے لگی قلبِ گیتی سے درودوں کی صدا آنے لگی
وقت ٹھہرا، گردشِ دوراں کو چکر آ گیا یوں وہ آیا آسماں جیسے زمیں پر آ گیا
کل جہاں اترا تھا تارا، چاند بھی نکلا وہیں کل جو سجدے میں جھکی تھی اب بھی خم ہے وہ جبیں
مرتضیٰ خوش ہیں رخِ فرزند کی ضو دیکھ کر شکر برلب ہیں نبی خود اپنا پرتو دیکھ کر
لو وہ آغوشِ رسالت میں امامت آ گئی گود میں قرآں کی اک اور صورت آ گئی
مسکراتے ہیں نبی بچے کی چتون دیکھ کر مطمئن ہے حال مستقبل کو روشن دیکھ کر
آنکھ میں آنسو، تبسم لب پہ، دل میں افتخار کتنے جذبے اور اک قلبِ رسولِ کردگار
ہے یہ بچہ کربِ پیغمبر بھی، سکوں انجام بھی کربلا بھی ذہنِ پیغمبر میں ہے اسلام بھی

کہہ رہا ہے وقت پیغمبر سے اپنی داستاں کربلا کا دشت، یہ بچہ اور اس کا امتحاں
اک طرف فاسق کی بیعت، عیش، دولت، اقتدار ایک جانب حرمتِ دیں اور زخموں کی قطار
اک طرف شبیرؑ کی گردن کے خم پر نذرِ زر ایک جانب حفظِ حق کا اجر شمشیر و تبر
ایک جانب نہرِ آب سرد سے چھلکی ہوئی اک طرف بچوں کی گردن پیاس سے ڈھلکی ہوئی

اک طرف ایوانِ زر کے بام و در نکھرے ہوئے
ایک جانب دل کے ٹکڑے دشت میں بکھرے ہوئے

ایک جانب سیم و زر، لعل و گہر کی تھیلیاں
اک طرف اکبر کا سینہ اور قاتل کی سناں

ایک جانب دستِ ساقی، گردشِ جام و سبو
اک طرف عباس کے بازو قریبِ آب جو

ایک جانب اقتدار و دولت و جاہ و حشم
اک طرف اصغر کی گردن اور پیکانِ ستم

الغرض بیعت میں عیش، انکار پر خنجر کی دھار
چشمِ ایماں کو حسینی فیصلے کا انتظار

فیصلہ جس پر مدارِ دین و بنیادِ حرم
فیصلہ جو چشمِ اللہ و نبی میں محترم

معتبر، جامع، مدلل، غیر مبہم فیصلہ
بابِ شہرِ علم کے وارث کا محکم فیصلہ

ضامنِ ایماں، ورائے فکرِ ہر کس فیصلہ
فیصلہ معصوم فطرت کا مقدس فیصلہ

فیصلہ جو ذات میں اپنی امامن کی دلیل
فیصلہ جو دورس اور فکر کی مدت قلیل

چشمِ ایماں مسکرا، سن لے حسینی فیصلہ
بیعتِ فاسق نہیں منظور، ابھرے کربلا

آئیں تلواریں، بڑھیں خنجر، اڑا دیں میرا سر
میرے ہوتے آنچ آسکتی نہیں ایمان پر

تیغِ باطل گردنِ ایماں پہ چل سکتی نہیں
آدمیت کو بہیمیت نگل سکتی نہیں

ہاں بہالے ظلم خوں میرا، میرے انصار کا
قطرہ قطرہ کام دے گا حشر تک تلوار کا

یوں بنے گا میرے باطل سوز تیروں کا ہدف
حشر تک پھر تاج دیکھے گا نہ ایماں کی طرف

پھر حسینؑ ابنِ علیؑ کو تو نہ دیکھے گی نگاہ
تا ابد لیکن ضیا دے گی حسینیت کی راہ

برتری ممکن ہے کچھ لمحات تک شیطان کی
فتح آخر حق کی ہے اسلام کی، انسان کی

جال پھیلائے گا جب ظالم برائے زندگی
جادۂ شبیرؑ ہوگا رہنمائے زندگی

کربلا ہر غم رسیدہ کی سپر بن جائے گی
تا قیامت ہر یزیدِ وقت سے ٹکرائے گی

جا چکے شبیرؑ لوگو، ہو چکی وہ کربلا
شمعِ منزل ہے مگر اب تک حسینی فیصلہ

آج بھی دنیا میں جاری ہے جدالِ خیر و شر
آج بھی تیغِ جفا ہے اور مظلوموں کے سر

آج بھی کچھ لوگ ادب سے لیتے ہیں نامِ یزید
بھول کر تاریخ کے مقتل میں انجامِ یزید

کل چلی تھی تیغِ باطل سجدۂ شبیر پر
آج ہیں شعلوں کی زد پر مسجدوں کے بام و در

کل حسینؑ ابنِ علیؑ تھے اور تلواروں کے وار
آج ہے ذکرِ حسینی کی سزا دُرّوں کی مار

آج بھی ہے خیر کے سینے پہ رقصاں پائے شر
بھوکے گدھ منڈلا رہے ہیں زندگی کی لاش پر

گولیاں، خنجر، سنائیں، شور، نعرے، ہاؤ ہو
بہہ رہا ہے چار جانب حق پرستوں کا لہو

کل لٹا تھا شام کی آندھی میں گلزارِ بتولؑ
دن دہاڑے آج لٹتے ہیں غلامانِ رسول

کل جو شعلے خیمۂ آلِ نبی جھلسا گئے
اب وہ شعلے ہم غلاموں کے گھروں تک آ گئے

یہ فضا اور جشنِ میلادِ شہیدِ کربلا
کتنا گہرا طنز ہے اسلام پر ماحول کا

کاش دنیا اب بھی سمجھے روحِ پیغامِ حسینؑ
کچھ عمل بھی چاہیئے کافی نہیں نامِ حسینؑ

نصرتِ حق، ردِ باطل میں بقا کا راز ہے
ہے یہی قرآں، یہی شبیرؑ کی آواز ہے

ش دنیا صدقِ دل سے پیروِ سرور بنے
ردِ باطل اتحادِ فکر کا محور بنے

شنِ میلادِ حسینؑ ابنِ علیؑ میں آئے ہو
تیرگی کے بن سے شہرِ روشنی میں آئے ہو

س چراغِ فکر کی تابندگی بڑھتی رہے
اب یہ شمعیں بجھ نہ پائیں روشنی بڑھتی رہے

تھرتھراتی ہے فضا میں ظلمتِ بغض و عناد
جلوۂ شبیرؑ سے روشن ہے شمعِ اتحاد

ور وہ سن لیں جو ہیں اب بھی غلامانِ یزید
کٹ گئیں صدیاں کٹا اب تک نہ پیغامِ شہید

گردنِ حق سے اچٹ جاتی ہے ہر خنجر کی دھار
سینۂ قاتل ہی پر پڑتا ہے خود قاتل کا وار

وہ یزیدی شان وہ شاہی قیادت کیا ہوئی
جس حکومت کیلئے مانگی تھی بیعت کیا ہوئی

آج بھی جاری ہے لیکن فیضِ عامِ کربلا
آج بھی شبیرؑ زندہ ہیں بہ نامِ کربلا

کربلا ہے آج بھی معیارِ فکرِ معتبر
کربلا تک جا کے رک جاتا ہے ہر تارِ نظر

کربلا ہر جبرِ بیجا کے مقابل اب بھی ہے
کربلا تائیدِ ایماں ردِّ باطل اب بھی ہے

آج بھی اُمید گاہِ بے کساں ہے کربلا
ڈھونڈتی ہیں آج بھی نظریں کہاں ہے کربلا

کربلا کو آج بھی آواز دیتی ہے حیات
کربلا لیکن نہیں ہر آدمی کے بس کی بات

تا بہ معیارِ امامت آگہی درکار ہے
کربلا کو اک حسینؑ ابنِ علیؑ درکار ہے

خود حسینؑ ابنِ علیؑ یا اس کا کوئی جانشیں
جو الٹ دے نظمِ عالم کو الٹ کر آستیں

آئے گا وہ دورِ نو کی ابتدا ہو جائیگی
وہ کہے گا اور جہاں میں کربلا ہو جائیگی

کربلا ہو گی مگر بدلے ہوئے انداز سے
موت کے نغمے اٹھیں گے زندگی کے سا

قرض ہے اب تک شہیدانِ وفا کا انتقام
وارثِ شبیرؑ لے گا کربلا کا انتق

اپنی منزل پہ پہنچ جائے گی چشمِ انتظار
آئے گا میداں میں قرآں زیرِ ظلِّ ذوالفق

قیمتِ خونِ شہیدانِ وفا مل جائے گی
سیدہؑ کے دل کے زخموں کو دوا مل جائ

ظالموں کے ذہن و دل کے راز کھولیں گے حسینؑ
اپنے پوتے کے زبان و لب سے بولیں گے حس

عہدِ حاضر کے یزیدو اور کچھ دن انتظار
تم ہو پھر اور وارثِ شبیرؑ ہے اور ذوالفق

اب بھی لوٹ آؤ حصارِ دامنِ ایمان میں
دیکھ لو اس انتہا کی اک جھلک ایران م

آ رہی ہے آج کانوں میں خمینی کی صدا
کل سنو گے وارثِ عزمِ حسینی کی صدا

رزقِ سماعت

حسینیت ہر اس دردآشنا دل کی شریعت ہے
جسے انسانیت سے پیار ہے ظالم سے نفرت ہے

مبارک کربلا والے یہ انعامِ شہادت ہے
کہ اب تا حشر تیری نسل حقدارِ امامت ہے

سرِ شبیرؑ ہے نیزہ ہے، قرآں کی تلاوت ہے
غرورِ تاجِ شاہی دیکھ یہ شانِ امامت ہے

پیمبرؐ کی علی اکبرؑ میں کچھ اتنی شباہت ہے
پتہ چلتا نہیں قرآں ہے یا قرآں کی آیت ہے

یہ کس معجز نما کی فاطمہؑ کے گھر ولادت ہے
کہ اشکوں میں تبسم ہے تبسم میں جراحت ہے

کسی پر آب و دانہ روکنا شامی روایت ہے
نہ چھینو ہم سے ذکرِ آل یہ رزقِ سماعت ہے

دو عالم کی عبادت سے گراں حیدرؑ کی ضربت ہے
مگر وہ سجدۂ آخر جو روحِ ہر عبادت ہے

ہر انساں موت سے ڈرتا ہے یہ انساں کی فطرت ہے
جہاں ڈرتی ہے موت انساں سے وہ منزل شہادت ہے

نبی زادی کا گھر ہے انتہا پر فضیلت ہے
طہارت تا بہ عصمت ہے سیادت تا امامت ہے

یہ ارضِ پاک ہے پھر اس پہ اسلامی حکومت ہے
جلا ڈالو! الگ سے مسجدوں کی کیا ضرورت ہے

حسینی فکر میں امکانِ لغزش ڈھونڈنے والو
یہ انساں کا نہیں، قرآن کا معیارِ عصمت ہے

دئیے جا سجدۂ آخر کو طول اے کربلا والے
بہم سر ہو چکی اب حشر تک فرصت ہی فرصت ہے

دلِ عباس میں اٹھتے ہیں طوفاں بیٹھ جاتے ہیں
یہ تہذیبِ مودت ہے یہ تسلیمِ امامت ہے

صداقت کی گواہی سیدہ سے مانگنے والو
تمہاری زد پہ قرآن و پیمبرؐ کی صداقت ہے

کسی کے دل سے جتنی دور ہے شبیرؑ کا روضہ
بس اتنے فاصلے پر میرے گھر سے بابِ جنت ہے

ہے جب تک گردنِ انسانیت پر ظلم کا خنجر
مسلسل کربلا کا ذکر انسانی ضرورت ہے

جو کہتے ہیں ہوئے شبیرؑ قتل اپنوں کے ہاتھوں سے
وہ لعنت بھیجیں ان کے قاتلوں پر کیوں یہ کینہ ہے

طلب کی ہے عبادت کیلئے اک رات سرورؑ نے
پئے تطہیرِ فکر اے حُرؑ تجھے بس اتنی فرصت ہے

یزیدی تخت لرزاں ہے لبِ عابدؑ کی جنبش سے
ہیں کتنے ناتواں اور کس قدر بھرپور ہیبت ہے

آویزش

حسینیت

مرے نقشِ قدم ہیں قاطعِ زنجیرِ گمراہی
مرے بگڑے ہوئے تیور میں ہے شانِ یداللٰہی
ہمیشہ میں نے سر کچلا ہے باطل کی قیادت کا
فقیرِ بےنوا ہوں مجھ سے لرزاں ہے مگر شاہی
مرا مسلک حسینیت مرا ایماں خود آگاہی

یزیدیت

زباں سے کچھ کہو، کٹتی نہیں زنجیرِ گمراہی
مری عیاریوں سے پست ہے شانِ یداللٰہی
زمیں پر آج بھی لہرا رہا ہے پرچمِ باطل
فقط الفاظ کی حد تک ہے لرزاں آپ سے شاہی
خود افروزی کو شاید آپ نے سمجھا خود آگاہی

حسینیت

مرے جذبِ مکمل نے دکھائی ہیں وہ تاثیریں
کہ جب نظریں اٹھائی ہیں بدل ڈالی ہیں تقدیریں
مرادِ ذوقِ عمل ابھرا ہے جب بھی کروٹیں لے کر
الٹ کر میں نے رکھ دی ہیں تیرے خوابوں کی تعبیریں
مری ٹھوکر میں رہتی ہیں یزیدیت کی تعمیریں

یزیدیت

کہاں سوئی ہوئی ہیں آپ کے جذبے کی تاثیریں
کہ اب بنتی نہیں اکثر بگڑ جاتی ہیں تقدیریں
نظر آتے نہیں کیا کفر کے ایماں شکن منظر
اسی صورت الٹ جاتی ہیں کیا خوابوں کی تعبیریں
سرِ ایماں پہ قائم ہیں یزیدیت کی تعمیریں

یہی ہے انتہا شاید فروغِ نورِ ایماں کی
کہ عیاری پہ ہو بنیاد اخلاقِ مسلماں کی
خدا رکھے مذاقِ خود نمائی اہلِ گلشن کا
دکانوں پہ سجی ہیں بند کلیاں تک گلستاں کی
وبالِ دوش ہیں اب دھجیاں بھی جیب و داماں کی

...ا قرآن بکتا ہے کہیں اسلام بکتا ہے
شہیدوں کا لہو بے خدشۂ انجام بکتا ہے

...غِ کفر کی خاطر مسلمانوں کے جلسوں میں
سرِ منبر کھلے بندوں خدا کا نام بکتا ہے

شہیدِ کربلا کا خونچکاں پیغام بکتا ہے

حسینیت

...مانا آج کل دنیا پہ تیرا حکم چلتا ہے
مگر اس انتہا میں موت کا پہلو نکلتا ہے

...جِ تبکدہ تمہید ہے تطہیرِ کعبہ کی
رگِ باطل سے یوں بھی چشمۂ ایماں ابلتا ہے

ابھر آتا ہے ایماں کفر جب کروٹ بدلتا ہے

...یہ مانا آج کل عاصی بہت ہیں نارسا کم ہیں
بہت ہیں پیروانِ راہِ باطل باخدا کم ہیں

...یزیدیت بہت کچھ بڑھ چکی تسلیم ہے لیکن
یہ سب باطل نما ہیں دشمنانِ کبریا کم ہیں

مسلماں کم سہی لیکن بہتّر سے کبھی کیا کم ہیں

اسی عالم سے ہوگا اک جہانِ تازہ تر پیدا
اسی تاریک شب سے ایک دن ہوگی سحر پیدا

ضرورت صرف اس کی ہے کہ اک مردِ مسلماں میں
شہیدِ کربلا کا عزم پیدا ہو جگر پیدا

ہے خرمن منتظر اب دیکھئے کب ہو شرر پیدا

سالکِ منزلِ رضا

ذکرِ غمِ حسینؑ ہے آج بھی ہر دیار میں
زندہ ہے روحِ کربلا پیکرِ قلب زار میں
جاگتی ہے دلوں میں یاد کرتے ہیں خود مزار میں
کھائے تھے دل پہ جتنے داغ عرصۂ کارزار میں
پھوٹے ہیں بن کے آبلے سینۂ روزگار میں

چاہیں تو عرش کانپ اُٹھے چاہیں تو حشر ہو بپا
منتظرِ اشارہ تھی بارشِ قہرِ کبریا
سیلِ فنا پہ زور تھا دستِ اجل تھا زیرِ پا
اس پہ یہ دل یہ حوصلہ ہنس کے ستم سہا کیا
جبر کیا نہ اختیار، جبر تھا اختیار میں

رہبرِ مسلکِ یقیں، یعنی خلیلِ کبریا
خاصۂ بارگاہِ رب، چشم و چراغِ انبیا
وارثِ رازِ کوکشف، حاملِ تاجِ ہل اتیٰ
پارۂ قلبِ بوتراب، نورِ نگاہِ مصطفیٰؐ
دورِ زمیں بھی زیرِ پا، چرخ بھی اختیار میں

کتنا عظیم ہے صلہ ذوقِ تمام سجدہ کا
نقشِ قدم بنا ہے آج نقشِ جبینِ اتقیا
کعبہ میں اڑ کے آگئی گردِ زمینِ کربلا
ہوتا ہے یوں بھی تکملہ سجدۂ نا تمام کا
خاکِ نبیؐ ہے سجدہ گر، خانۂ کردگار میں

ہ غم فرزدں، مکر کی لب پہ گفتگو بڑھتی ہے ہر ستم پہ اور تازہ ستم کی آرزو
پ اٹھا، لرز اٹھا قلبِ جہانِ رنگ و بو بیٹے کی لاش روبرو، سینے پہ زخم، دل لہو
باپ کا سر جھکا ہوا سجدۂ کردگار میں

ط تمام الحذر ہنس کے چمن لٹا دیا ذوقِ سجود الاماں تیغوں میں کی نماز ادا
طِ رسول آفریں، جانِ بتولؑ مرحبا سالکِ منزلِ رضا جو بھی قدم اٹھا ترا
عینِ یقین بن گیا دیدۂ اعتبار میں

تے ہیں قاعدہ یہ ہے اہلِ کرم کے فیض کا ہدیۂ بے بسی اگر پیش کرے کوئی گدا
ت طلب کو بخش دیں اسکے طلب سے بھی سوا لایا ہے تیری نذر کو اک دلِ درد آشنا
اپنی تمام کائنات دامنِ تار تار میں

ینے پہ زخم دل لہو شکرِ خدا زبان پر بھائی کبھی جدا ہوا چھوٹ گیا کبھی پسر
ہ کمر پہ کی نظر تھام لیا کبھی جگر ظلم پہ ظلم تھا مگر واہ ری چشمِ درگذر
جھکتا تھا ہر ستم پہ سر سجدۂ کردگار میں

تشِ غم کا التہاب ضبطِ الم کی سوزشیں ڈوبی ہوئی سی بے بسی سہمی ہوئی سی حسرتیں
ینے پہ حشرِ اضطراب لب پہ سکوں کی بندشیں ضبط سے کھیلتی رہیں ہونٹوں پہ مسکراہٹیں
پھولا پھلا ہوا چمن لٹتا رہا بہار میں

تصویرِ کربلا کے دو رخ

انوارِ یزدانی

"حُر"

وہاں ہر قسم کی نعمت یہاں لازم تھا مر جانا — ادھر رہنا مناسب تھا کہ بہتر تھا ادھر آ[نا]

خلافت تھی کہ حفظِ دیں تھا مقصد شہِ دیں کا — مری رجعت، میرے ردِّ عمل سے دہر نے جا[نا]

حقیقت ورنہ بن جاتی کسی منزل پہ افسانہ

حبیب

وہ لمحے دوستوں کے دل پہ جب طاری تھی خاموشی — صدائے حق کو لگنے جا رہی تھی جب گراں گوشی

بلایا اس نے خط لکھ لکھ کے مجھ کو موت کی زد پر — جو اپنے ساتھیوں کو دے رہا تھا اذنِ روپوشی

ذرا سوچو تو کس منزل پہ تھی میری وفا کوشی

عباس

میں دنیائے شجاعت کا سپہ سالارِ اکبر تھا — ثبات و عزم میں حیدر، وفاکوشی میں جعفر تھا

بہتّر کو ہزاروں سے لڑا کر پیاس میں میں نے — یہ ثابت کر دیا دنیا کے ہر قائد سے بہتر تھا

علی کا معجزہ، سرور کا دل، زینبؑ کی چادر تھا

اصغر

بھلا چھ ماہ کے سن میں تھی کیا جد و جہد ممکن
شہِ والا کی کیا اپنی نہ تھی مجھ سے مدد ممکن
مرا خوں دھو گیا داغِ سیاست شہ کے دامن سے
نہ ہوگا دہر میں بطلانِ حق اب تا ابد ممکن
میں وہ برہانِ قاطع ہوں نہیں کچھ جس کا رد ممکن

زینب

مکمل کر گئے فکرِ حسینیت کی تعمیریں
وہ میرے شام کے خطبے، مری کوفے کی تقریریں
الجھ کر رہ گئے بڑھتے قدم ظلم و شقاوت کے
قیامت تھیں مرے بکھرے ہوئے بالوں کی زنجیریں
الٹ کر میں نے رکھ دیں ظلم کے خوابوں کی تعبیریں

عابد

شہِ والا کے ہوتے اتنی تسکیں تو میسّر تھی
کہ باقی تھا بھرم اہلِ حرم کے سر پہ چادر تھی
وہاں جائیں مقامِ آزمائش میں تھیں یاں بڑھ کر
وہاں خود تھے یہاں اجداد کی ناموس زد پر تھی
مری منزل محاذِ کربلا کی روحِ منظر تھی

حسینؑ

مرے خوں نے طلب کو جرأتِ قلب و جگر بخشی
مرے کردار نے دستور کو عمرِ خضر بخشی
جواز جبر پیدا ہو چلا تھا ذہنِ انساں میں
مری آواز نے حریتِ فکر و نظر بخشی
شبِ اوہام کو ایقانِ کامل کی سحر بخشی

نژادِ اہرمن

معاویہ

یہ کاوش تھی مری سفیانیت کا نام ہو جائے
غمِ آغاز نکھرے عشرتِ انجام ہو جائے
حکومت سونپ دوں فرزند کو شبیرؑ کے ہوتے
مرے گھر میں خلافت کا تو استحکام ہو جائے
سحر ہو شام میں یثرب میں وقتِ شام ہو جائے

مروان

یقیں جذبۂ اہلِ وفا معدوم ہو جاتا
خلوصِ اہلِ یثرب دہر کو معلوم ہو جاتا
عمل کرتا ولید اک بار بھی گر میرے کہنے پر
تو ذکرِ کربلا تاریخ سے معدوم ہو جاتا
مدینے ہی میں ختم افسانۂ مظلوم ہو جاتا

ابنِ زیاد

صلاحِ قتلِ سرور دی یزیدِ جہل پیکر کو
دمشق و کوفہ میں روندا سرِ زینب کی چادر کو
زیاد ابنِ سمیّہ لے لیا میں نے ترا بدلہ
بنی ہاشم ہو یا اُموی اٹھا سکتا نہیں سر کو
معاویہ کو ذلت دی جگر کا زخم حیدرؑ کو

ابن سعد

یہ کیسی کش مکش میں پھنس گیا تقدیر کی خوبی
ادھر اتلافِ ایماں اس طرف حاکم کی محبوبی
حکومت رے کی ملتی ہے مجھے ایماں کی قیمت میں
کہاں سے لاؤں ایثارِ حسینی، صبرِ ایوبی
میں اندھا تھا مری دنیا مری عقبیٰ کو لے ڈوبی

حرملہ

مرے تیرِ ستم نے گردنِ بے شیر کو توڑا
کلیجہ ماں کا چھیدا بازوئے شبیرؑ کو توڑا
مگر کیا فیصلہ دے آنیوالا وقت کیا جانے
کیا تعمیر میں نے قصر یا تعمیر کو توڑا
گلے کو تیر نے یا خود گلے نے تیر کو توڑا

شمر

جلا دیتی ہے ظلمت شعلۂ شمعِ فروزاں کو
برابر کی اہمیت ہے عصمت اور عصیاں کو
مری تاریک فطرت اسوۂ شبیرؑ کی ضد تھی
مری ظلمت سے تابانی ملی خونِ شہیداں کو
میں پس منظر تھا روشن کر گیا تصویرِ ایماں کو

یزید

یہ مانا رند مشرب، عدل دشمن، سفلہ پرور تھا
مگر کوفے کے خوں آشام قزاقوں سے بہتر تھا
خدا ابنِ زیاد و شمر و ابن سعد سے سمجھے
خطا ان کی تھی طوقِ معصیت میرا مقدر تھا
مرے دربار تک شبیرؑ آسکتے تو بہتر تھا

سجدہ آخر

عبادت ایک بحرِ بیکراں ہے	نہ جانے انتہا اس کی کہاں ہے
نہ جانے ساعتِ تمہیدِ کُن تک	عدم کی کتنی مدت درمیاں ہے

ہوا ہوگا ادا جب پہلا سجدہ	بشر کو اس کا اندازہ کہاں ہے
وہ لمحہ گم ہے صدیوں کے سفر میں	وہ سجدہ علمِ باری میں نہاں ہے

وہ لمحہ پاک تھا جو ریب و شک سے	کہ وہ عالم ہی بالائے گماں ہے
پھر اس کے بعد سجدوں کا تسلسل	مثالِ موجِ بحر اب تک رواں ہے

مگر اب اور ہے اندازِ سجدہ	کہ خود انساں کی فطرت درمیاں ہے
ہر اک سجدے سے پہلے تا بہ سجدہ	خلوصِ بندگی کا امتحاں ہے

ہر اک سجدہ رضائے ایزدی میں	یقینِ عبدیت کا ترجماں ہے
ہر اک سجدہ میانِ حق و باطل	جہادِ نفس کی ضربِ گراں ہے

یہ ان بے روح سجدوں کا نہیں ذکر	جہاں نفسِ بشر ظلمت فشاں ہے
یہ ان سچی جبینوں کے ہیں سجدے	طلب جن کی ورائے ہر گماں ہے

شکستیں کھائی ہیں جن سے ریا نے — تصور تک جنھیں شک کا گراں ہے
نہ جانے عبدیت کے اس سفر میں — طلب کی منزلِ آخر کہاں ہے
جبینوں کی تمنا ہے وہ سجدہ — جو حدِ آخرِ تسلیم جاں ہے
کوئی سجدہ گزاروں سے یہ کہہ دے — کرے وہ سجدہ جو ہر سجدے کی جاں ہے
مثالِ طلعتِ خورشیدِ تاباں — دلوں پر کیا نگاہوں پر عیاں ہے
نگاہِ شوق سوئے کربلا دیکھ — کوئی کس شان سے سجدہ کناں ہے

حسینؑ اس شان سے سجدہ کناں ہے — کہ خود کعبہ سوئے سجدہ رواں ہے
ادھر خنجر ادھر رگِ تپاں ہے — جبیں دو ضربتوں کے درمیاں ہے
مگر شانِ خلوصِ "اللہ اکبر" — خیالِ ذات تک دل پر گراں ہے
نہ احساسِ جراحت ہے نہ تکلیف — نہ خوفِ ضربتِ تیغِ رساں ہے
نہ خدشہ ہے اسیری حرم کا — نہ اب فکرِ مریضِ نیم جاں ہے
نہ اصغر کا بلکنا یاد ہے اب — نہ زخمِ دلِ سکینہ کی فغاں ہے
بس اک بندہ ہے اور بندے کا معبود — نہ پردے ہیں نہ فصلِ درمیاں ہے
جبینیں دیکھ لیں معراجِ سجدہ — یہ حدِ آخرِ تسلیم جاں ہے

اسی کا باپ تھا وہ جس کی ضربت — دو عالم کی عبادت سے گراں ہے
اور اس ساعت سے بیٹے کا یہ سجدہ — ابد تک مرجہادِ حق کی جاں ہے

غمِ سرورؑ ہے، میں ہوں نذرِ جاں ہے — نہ جانے اب غمِ دنیا کہاں ہے
زمینِ کربلا وہ آسماں ہے — کہ سورج ہے ہر اک ذرہ جہاں ہے
اس آئینے میں دیکھو کربلا کو — کہ دل کس کا ہے کس کا امتحاں ہے
اللہ دے دل نہ کیوں زینبؑ کا خطبہ — یہ بابِ علم کے گھر کی زباں ہے
اصولوں کو بدل لو جیسے چاہو — خطائے اجتہادی درمیاں ہے
بڑھے جا سایۂ نامِ علیؑ میں — جہاں تک گردشِ کون و مکاں ہے
عجب کیا ہے جو نبضِ وقت رک جائے — اذاں ہے اور اکبرؑ کی اذاں ہے
شہیدانِ وفا سے پوچھ لیجئے — اجل خود زندگی کا پاسباں ہے
دلیلِ حق رسی ہے عشقِ شبیرؑ — یہ ہر مومن کے دل کا امتحاں ہے
سرِ مقتل اذاں دیتے ہیں اکبرؑ — جمالِ مصطفیٰؐ جلوہ فشاں ہے
حقیقت میں ہے فریادِ پیمبرؐ — بظاہر اک مؤذن کی اذاں ہے

زخموں کا تبسّم

آج شبیرؑ کی ولادت ہے — غم سے چھینی ہوئی مسرت ہے

دیکھتے ہیں نبی نواسے کو — مُو بہ مُو کس قدر شباہت ہے

اپنا بچپن ہے جیسے پیشِ نظر — جیسا قرآں ہے ویسی صورت ہے

مصطفیؐ ہیں نبی بھی، نانا بھی — فخر ہے، رنج ہے، مسرت ہے

آج پیدا ہوا ہے وہ بچہ — جس کی اسلام کو ضرورت ہے

یہ نبی سے ہے اور نبی ان سے — کیا نبوت نما امامت ہے

یہ وہ ہے جس کے خوں کا ہر قطرہ — حفظِ اسلام کی ضمانت ہے

دین کا ضابطہ ہے جس کا عمل — یہ جو کہہ دے وہی شریعت ہے

اس سے نسبت ہے، خیر و شر کا عیار — بغض دوزخ ہے عشق جنت ہے

یہ تو سب کچھ ہے لیکن اس کے ساتھ — اس کی قسمت عجیب قسمت ہے

اس کو چلنا ہے ایسے رستوں پر — جن کے ہر موڑ پر قیامت ہے

اس کے قبضے میں کیا نہیں لیکن — اس کا کچھ بھی نہیں امانت ہے

یہ خود اور اس کے اقربا و رفیق — سب کی تقدیر مرگِ غربت ہے

اس کو جینا ہے موت کی خاطر
یہ ولادت نہیں شہادت ہے

سوچتے ہیں یہ اپنے دل میں رسولؐ
کتنی فکر آزما یہ ساعت ہے

فاطمہؑ دیکھتی ہے میری طرف
آج اسے کس قدر مسرت ہے

کیسے کہہ دوں کہ تیرا یہ بچہ
مستقل درد سے عبارت ہے

عمر بھر جھیلنا ہیں دکھ اس کو
مرگ ہر گام اس کی قسمت ہے

اس طرف فاطمہؑ کو ایسے میں
باپ کی خامشی پہ حیرت ہے

سوچتی ہیں خموش کیوں ہیں نبی
یہ تو اک لمحۂ مسرت ہے

کیسے پوچھوں کہ اے خدا کے رسول
کیوں یہ رخ پر غبارِ کلفت ہے

الغرض دل میں باپ بیٹی کے
کچھ عجب گومگو کی حالت ہے

آخرش قفلِ خامشی ٹوٹا
شارحِ حق لبِ رسالت ہے

فاطمہؑ کو بتا رہے ہیں رسول
اس کے فرزند کی جو قسمت ہے

فاطمہؑ لاکھ ماں سہی لیکن
نازشِ مرکزِ شریعت ہے

اشک آنکھوں میں ہیں مگر لب پر
حمدِ معبود، شکرِ نعمت ہے

مسکرانا غموں کی یورش میں
خاندانِ نبی کی سیرت ہے

ہیں اسی فاطمہؑ کے ہم بھی غلام
اس کا شیوہ ہماری طینت ہے

جب اسی کو نہیں شکایتِ غم
ہم کو شکوے کی کیا ضرورت ہے

ہم بھی خوش ہیں کہ فاطمہؑ خوش ہیں
ہنس رہے ہیں کہ آج اجازت ہے

قومِ گریاں کو دیکھ لے دنیا　　آج اسے کس قدر مسرت ہے
ہم کو اہلِ جہاں سمجھ نہ سکے　　امتیازی ہماری فطرت ہے
ہم ہیں اک نظمِ خاص کے پابند　　ہم کو آلِ نبی سے نسبت ہے
ان کا غم اپنا غم سمجھتے ہیں　　ان کی راحت سے ہم کو راحت ہے
آج خوش ہے ہماری شہزادی　　غم کا اظہار آج بدعت ہے
آج ہم قہقہے لگائیں گے　　آج ہر قہقہہ عبادت ہے

طوفانِ خموش

حسنؓ کا دورِ صلح و آشتی ہے — فضا میں قبلِ طوفاں خامشی ہے
بزعمِ فتح نازاں ہے ادھر کفر — ادھر ایماں کے ہونٹوں پہ ہنسی ہے
غلط فہمی کہ ہے تقدیرِ باطل — نگاہ و دل کا پردہ بن گئی ہے
ہے اک مخصوص کیفیت کا لمحہ — مشیت راہ جس کی تک رہی ہے
ابھی زیرِ نقابِ دیں ہے باطل — ابھی اتمامِ حجت میں کمی ہے
صفِ صفین کی قرآں نمائی — نگاہ و دل کو خیرہ کر گئی ہے
نقوشِ کفر ابھی واضح نہیں ہیں — دھندلکے کی حدوں میں روشنی ہے
ابوسفیان کی امت کا کردار — بظاہر حاملِ ہر دل کشی ہے
حسنؓ کی کاوشِ تالیفِ قلبی — بجنسِ اسوۂ پیغمبری ہے
میانِ شعلۂ کفر و مہِ دیں — مذبذب امتِ احمدؐ کھڑی ہے
کسی دن تو بجھے گا شعلۂ کفر — مہِ ایماں تو نورِ سرمدی ہے
پتہ چل جائے گا اہلِ نظر کو — وہ باطل ہے یہ حد اسلام کی ہے
ذرا یہ مکر کا پردہ الٹ جائے — تو پھر حدِ نظر تک روشنی ہے
وہ دیکھو پردۂ ظلمت ہوا چاک — صدائے بیعتِ فاسق اٹھی ہے
وہ کھل کر آ گیا میدان میں کفر — یہ ضبطِ غم کی حد آخری ہے

وہ اٹھا پیکرِ سرور میں اسلام | کہ حدِ ردِ عمل کی آ گئی ہے
محاذِ خیر و شر پہ کربلا میں | نمودِ انتہائے آدمی ہے
یہی انساں یزید اپنے عمل میں | یہی انساں حسینؑ ابنِ علی ہے
ابد تک کے لئے طے ہو گیا آج | کہ کیا مفہوم دینِ ایزدی ہے
نہیں اب کچھ غلط فہمی کا امکاں | حرم سے کربلا تک روشنی ہے
برائے رہبریِ راہِ طلب میں | صدائے عزمِ سرور گونجتی ہے
اگر اس پر بھی کوئی راہ بھولے | ارادی جہلِ قصداً گمرہی ہے

شہیدِ غم کا ہنگامِ خوشی ہے | سحر بھی ہے یہ لمحہ شام بھی ہے
بحدِ کربلا ہے ظلمتِ شام | پھر اس کے بعد صبحِ دائمی ہے
بہ فیضِ خونِ سرور خاکِ صحرا | جبیں پر نقشِ سجدہ بن گئی ہے
اشارہ ہو تو روحِ عصر بن جائے | اجل شہ کی نگاہیں دیکھتی ہے
بڑی فرصت کا سجدہ ہے تہِ تیغ | ابد تک اب مسلسل بندگی ہے
غمِ سرور کو سینے سے لگا لو | پھر اس کے بعد سر غم میں خوشی ہے
عجب تاثیر ہے جامِ ولا کی | سُرورِ مے بہ قدرِ آگہی ہے

یزید و شمر بننا کون چاہے
عداوت شہ سے خود سے دشمنی ہے

کارِ میثم

روز ذکرِ امام کرتا ہوں
کب سے میثم کا کام کرتا ہوں

ہر سحر کی اذانِ قبلِ نماز
اک موذن کے نام کرتا ہوں

یا علیؑ، یا حسینؑ، یا عباسؑ
وِرد یہ صبح و شام کرتا ہوں

لحنِ اکبر کو بھیگی پلکوں سے
قبلِ سجدہ سلام کرتا ہوں

شاہزادی ہیں صاحبِ مجلس
میں تو بس اہتمام کرتا ہوں

جب بھی کہتا ہوں میں اذاں اکبر
جیسے تجھ سے کلام کرتا ہوں

تم نہیں جانتے مجھے جبریل
درِ زہراؑ پہ کام کرتا ہوں

جس پہ کرتا ہے عرش بھی سجدے
اس زمیں کو سلام کرتا ہوں

روزِ قتلِ حسینؑ میں خود پر
مسکراہٹ حرام کرتا ہوں

پی رہا ہوں مئے ولائے حسینؑ
دیدۂ تر کو جام کرتا ہوں

اپنے شعروں میں رنگ بھرنے کو
خونِ صرفِ کلام کرتا ہوں

ہے شہادت کی آرزو دل میں
فکرِ عمرِ دوام کرتا ہوں

مجھ سے نالاں ہیں مال و زر کے فقیر
فکرِ بوذر کو عام کرتا ہوں

کب بلائے گی کربلا شاہدؔ
انتظارِ پیام کرتا ہوں

روشن مستقبل

طرح: مسکرائے مصطفیٰؐ بیٹے کے تیور دیکھ کر

ہیں پیمبرؐ خوش رخِ سبطِ پیمبرؐ دیکھ کر
مطمئن ہے حال مستقبل کے تیور دیکھ کر

صدقۂ شبیرؑ فطرس کے نئے پر دیکھ کر
ہیں ملک حیراں یہ پروازِ مقدر دیکھ کر

سیدہؑ کے لال کو جھولے کے اندر دیکھ کر
مسکرا دیتے ہیں جبریلِ اپنے شہپر دیکھ کر

آج پھر زہراؑ کا گھر ہے اور فرشتوں کا طواف
عرش کے مانوس جلوے کو زمیں پر دیکھ کر

موت آئی تھی کچلنے کے لئے شبیرؑ کو
راستے سے ہٹ گئی غازی کے تیور دیکھ کر

شاملِ آلِ نبیؐ کر لو جسے چاہو مگر
آل اور قرآں کے پلّے برابر دیکھ کر

وقت ہے خود آج قرآں کی صداقت پر گواہ
دشمنانِ آل کی نسلوں کو ابتر دیکھ کر

اللہ اللہ صبرِ شبیریؑ کی شانِ منفرد
دل میں ٹھنڈک پڑ رہی ہے دھوپ سر پر دیکھ کر

عصمتِ شبیرؑ پر جھکنا پڑا تاریخ کو
رجعتِ حُر دیکھ کر کردارِ اصغرؑ دیکھ کر

کتنے جذبے کروٹیں لیتے تھے قلبِ شاہ میں
جب سوئے عباسؑ دیکھا سوئے لشکر دیکھ کر

اے اجل یہ سر زمیں ہے فاتحینِ مرگ کی
کربلا کی سمت رخ کرنا سمجھ کر دیکھ کر

کربلا میں خود نبیؐ ہوتے تو ہوتا کیا مآل
پوچھتی ہے فکرِ انساں لاشِ اکبرؑ دیکھ کر

اس سلیقے سے چلے ہیں تشنگانِ کربلا
تا ابد یاد آئیں گے پانی کا ساغر دیکھ کر

آئے تھے عباسؑ پیاسا چھوڑ کر اطفال کو
کیا تعجب رو دیئے ہوں سوئے کوثر دیکھ کر

کون جانے کتنے طوفاں قلبِ پیغمبرؐ میں ہیں
دیکھتے ہیں فاطمہؑ کو سوئے محشر دیکھ کر

ہے یہ شاہدؔ کی گذارش اے حریفانِ سخن
اہلِ دانش پاؤں پھیلاتے ہیں چادر دیکھ کر

آفتابِ عصر

ب کیا کہیں کہ کیا ہیں حسینؑ اور کیا نہیں
یہ سب کچھ ہیں یہ بفضلِ خدا، بس خدا نہیں

وں ایک ہی حسینؑ ہے بس ایک کربلا
تاریخ نے پھر ان کو دوبارہ لکھا نہیں

یندہ ہے ہر اک افقِ ذہن پر حسینؑ
یہ آفتابِ عصر کبھی ڈوبتا نہیں

ریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے مگر
اس کربلا کے بعد کوئی کربلا نہیں

ے درمیانِ یثرب و شام اک طویل راہ
لیکن ہو عزمِ حر تو کوئی فاصلہ نہیں

بیرؑ دفن کر گئے بیعت کا مسئلہ
اس انتہا کے بعد کوئی ابتداء نہیں

بر اذان دیتے ہیں لحنِ رسول میں
تا دور آج دشت میں کوئی صدا نہیں

اہل نظر سے آج بھی کہتی ہے کربلا
ایسی بھی موت ہے جو بقا ہے فنا نہیں

باس جس مقام پہ لے آئے ہیں اسے
وہ معجزہ ہے ترکِ انا کا وفا نہیں

بر یزید امام سے بیعت نہ لے سکا
یہ کوہِ عزم ٹوٹ گیا پر جھکا نہیں

ے حرملہ، تبسمِ اصغر بھی دیکھ لے
اب اور کوئی تیر چلا، یہ چلا نہیں

کتنے رسول بن گئے کتنے خدا بنے
تاریخ میں حسینؑ مگر دوسرا نہیں

یا کربلا کی راہ چلو یا دمشق کی
ان دو کے درمیان کوئی راستہ نہیں

سوچو کہ کیوں ہے مرکزِ ہر فکر کربلا — کیوں سوئے شام مڑ کے کوئی دیکھتا نہیں

مجھ کو یقیں ہے پہنچے نہیں جب تلک امام — عباس نے جناں میں بھی پانی پیا نہیں

اے جبرِ وقت چھین نہ ہم سے غمِ حسینؑ — ہم غم زدوں کا اس سے بڑا آسرا نہیں

آندھی میں اور بڑھتی ہے لَو ذکرِ شاہ کی — ایسا کوئی چراغ زمیں پر جلا نہیں

نوحہ میں اور مدحتِ اعدائے اہلبیتؑ — کانٹے کو پھول میرے قلم نے لکھا نہیں

شہ نے چراغِ خیمہ تو گل کر دیا مگر — روشن تھا جو چراغ دلوں میں بجھا نہیں

محفوظ کر رکھا ہے پئے روضۂ حسینؑ — وہ اشکِ خوں جو دل میں ہے اب تک بہا نہیں

جھٹلاتے ہیں سخاوتِ آلِ عباؑ کو لوگ — جیسے کلامِ پاک میں اب ہل آتی نہیں

شاہد کچھ اور دل میں اتارو غمِ حسینؑ
دل کربلا میں ہے ابھی دل کربلا نہیں

کربلا اور تفسیرِ قرآن

کربلا میں ہو چکی تنصیب اس میزان کی
کس بلندی تک رسائی ہے کسی انسان کی

حق نے بھیجا اک صحیفہ پیکرِ شبیرؑ میں
ایک صورت اور اتری بولتے قرآن کی

مادی اقدار سے ناپو نہ میرے شعر کو
حبِ اہلبیتؑ سرخی ہے مرے دیوان کی

رجعتِ حرؑ، جہدِ اصغر، ضبطِ عباسِ جری
منزلیں ہیں یہ امامِ وقت کے عرفان کی

پہلے تھے بدر و احد، احزاب و خیبر پھر غدیر
اب کسوٹی کربلا ہے قوتِ ایمان کی

اس طرف بپھرے ہوئے طوفاں دلِ عباس میں
اُس طرف دیوار امامِ وقت کے فرمان کی

ہیں ابھی تک تشنۂ مفہوم کتنی آیتیں
تک رہی ہے کربلا تجھ کو نظر قرآن کی

حرؑ کو شہ نے خلد بھی، رومالِ زہراؑ بھی دیا
گھر سخی کا تھا تو اصنع فرض تھی مہمان کی

اب پیمبر سے بھی رک سکتا نہیں حکمِ غدیر
حق کی جانب سے ہے خود تاکید اس اعلان کی

لوگ کوشاں ہیں گھٹا دیں عظمتِ آلِ نبی
کیا نئی تفسیر لکھی جائے گی قرآن کی

یوں شہیدوں کے لہو سے سج گئی ہے کربلا
جس طرح پھولوں سے شاہد دلکشی گلدان کی

سفارتِ کبریٰ

وہ اک سوار شہرِ حرم سے عیاں ہوا
اک چاند سوئے ظلمتِ کوفہ رواں ہوا

بازو کے خم میں صولتِ جعفر لئے ہوئے
فکر و نظر میں دانشِ حیدر لئے ہوئے

تا دور عکسِ نورِ رخِ بے عدیل کا
ماتھے کی سلوٹوں میں تدبّر عقیل کا

دربارِ مرتضیٰؑ کی وراثت جلو میں ہے
مثلِ پدر شعورِ سفارت جلو میں ہے

بھرپور اعتمادِ شہِ مشرقین کا
معصوم انتخاب نگاہِ حسینؑ کا

وہ جس کا ہاتھ بیعتِ داور کا ہاتھ ہے
شبیرؑ کا، علیؑ کا، پیمبرؐ کا ہاتھ ہے

دیکھو تو اک سفیرِ شہِ خاص و عام کا
سوچو تو اعتبارِ مکمل امام ہے

جس کے لئے یہ حکمِ شہِ مشرقین ہے
جب میں نہ ہوں تو یہ مرا نائب حسینؑ ہے

اور کیوں نہ ہو یہ فرد ہے کس خاندان کا
منہ پھیرتا رہا ہے جو ہر امتحان کا

یہ بھی حصارِ دینِ خدا کا ستون ہے
اس کی رگوں میں بھی ابوطالب کا خون ہے

یہ آسماں کے سائے میں خود آسماں ہوا
شیرِ خدا کی گود میں پل کر جواں ہوا

اب تک علیؑ کے جسم کی بو پیرہن میں ہے
آغوشِ مرتضیٰؑ کی حرارت بدن میں ہے

حق نے جسے یہ حدِ سعادت بھی بخش دی
بیٹی بھی دی علیؑ نے شجاعت بھی بخش دی

بعدِ علیؑ رہا جو امانت کا ذمہ دار
عباسؑ کی وفا و شجاعت کا ذمہ دار

ج اس کو اور اوجِ سعادت عطا ہوا
سبطِ نبیؐ کا فخرِ نیابت عطا ہوا

جاتا ہے یوں شکوہِ شہانہ لئے ہوئے
جیسے جلو میں روحِ زمانہ لئے ہوئے

دو چار گام ساتھ ہیں سبطِ رسول بھی
سمجھا رہے ہیں طرزِ عمل بھی اصول بھی

فرما رہے ہیں جاؤ خدا کامراں کرے
میری زباں کا کام تمہاری زباں کرے

انجام کار سبطِ نبیؐ کی نظر میں ہے
معلوم ہے کہ پیکِ اجل بھی سفر میں ہے

لب پر دعا کہ اوجِ سعادت قبول ہو
دل کی صدا کہ جاؤ شہادت قبول ہو

یہ بہرِ حفظِ دیں شہِ خوش خو کی نذر ہے
راہِ رضا میں قوتِ بازو کی نذر ہے

یہ نذرِ خاص شوقِ شہادت کا اوج ہے
یہ جانے والا اپنی جگہ ایک فوج ہے

شبیرؑ یوں جمالِ صداقت دکھاتے ہیں
بالقصد اپنی عسکری قوت گھٹاتے ہیں

منشا یہ ہے کہ فکرِ زمانہ بھی دیکھ لے
اس رخ سے کربلا کا فسانہ بھی دیکھ لے

کھل جائے فکر پر کہ سیاست تھی کربلا
یا مرکزِ منائے شہادت تھی کربلا

مٹ کر حسینؑ فکرِ زمانہ پہ چھا گئے
طاقت گھٹا کے زورِ امامت دکھا گئے

جاتا ہے اک شہید خدا کے حضور میں
آئینہ لگ رہا ہے حریمِ شعور میں

یہ رہ نوردِ جادۂ امرِ قضا میں ہے
یہ مبتدا ہے اس کی خبر کربلا میں ہے

عنوان ہے یہ جہد و وفا کی کتاب کا
یہ حرفِ اولیں ہے شہادت کے باب کا

یہ فکرِ اہلِ مکر و دغا کا قتیل ہے
یہ عصمتِ امام کی روشن دلیل ہے

"مسلم" ہے یہ سفیرِ شہِ مشرقین ہے
کوفے کی حد میں اپنی جگہ خود حسینؑ ہے

اس سے بھی قتل گاہ کی منزل قریب ہے
مثلِ حسینؑ یہ بھی شہادت نصیب ہے

یہ بھی اسی کی طرح غریب الدیار ہے
یہ بھی وطن سے دور اجل کا شکار ہے

دل ہے یہ کربلائے شہِ مشرقین کا
پہلا شہید ہے یہ جہادِ حسینؑ کا

بے گور ہوگی دشت میں شاہِ زمن کی لاش
بازار میں پھرائیں گے اس خستہ تن کی لاش

آب و طعام قسمتِ شبیرؑ میں نہیں
پانی کا گھونٹ اس کی بھی تقدیر میں نہیں

نوکِ سناں پہ ہوگا شہِ کربلا کا سر
بابِ دمشق چومے گا اس باوفا کا سر

شبیرؑ کربلائے معلیٰ بسائیں گے
یہ اپنی کربلا سرِ کوفہ بنائیں گے

میداں سے جیسے اکبرؑ و اصغرؑ نہ آئیں گے
دریا پہ اس کے بچے بھی گردن کٹائیں گے

یتیمانِ مسلم

اللہ کتنے ظلم یتیموں پہ ہو گئے — آئے تھے ساتھ باپ کے کوفے میں کھو گئے

تنہائی، کم سنی، کوئی یاور نہ آشنا — رستے گلی کا علم نہ گھر کا کوئی پتہ

کوفے کی ہولناک فضا، دربدر کی خاک — کب تک نہ جانے سر پہ رہے گی سفر کی خاک

اک اک سے پوچھتے تھے کہ بابا کدھر گئے — انکار، جھڑکیاں، جسے روکا، جدھر گئے

اک مومنہ کو رحم بھی آیا تو کیا مِلا — جس گھر نے دی اماں وہیں حکمِ قضا مِلا

وہ بدسرشت حارثِ ملعون بے حیا — بچوں کو گھر سے کھینچ کے دریا پہ لے چلا

اس مومنہ نے لاکھ بچایا نہ بچ سکے — ظالم کو ان پہ رحم نہ آیا نہ بچ سکے

دریا پہ لے کے پہنچا جو بچوں کو وہ شقی — حسرت سے تک رہی تھی یتیموں کو بے کسی

ظالم نے بے کسوں کو شہید جفا کیا ۔۔۔ ایک ایک کر کے دونوں کے سر کو جدا کیا

گیسو پکڑ کے دونوں کے سر لے کے ہاتھ میں ۔۔۔ لاشوں کو باری باری سے پھینکا فرات میں

بچے شہید ہو گئے ، افسانے رہ گئے ۔۔۔ دریا میں دونوں لاشے گلے مل کے بہہ گئے

آئی صدائے سیدۂ غم کی ستائی ہوں ۔۔۔ اے بچو! آؤ! میں تمہیں لینے کو آئی ہوں

بابا تمہارے تم کو گلے سے لگائیں گے ۔۔۔ کچھ دن کے بعد دوسرے بھائی بھی آئیں گے

اصغر بھی اب رہیں گے نہ دنیائے دشت میں ۔۔۔ سب ساتھ مل کے کھیلنا باغِ بہشت میں

شاھدؔ یہ اس سفارتِ عظمیٰ کا حال ہے
اب جس کے بعد ایسی سفارت محال ہے

ثانیٔ زہراؑ

ل کے سکون کی تلاش ذہن کی فکرِ اولیں
شعبدہ کارِ صلح و جنگ پردہ کشائے کفر و دیں

ستِ طلب کی انتہا دامنِ جنتِ خیال
ذہنِ بشر کا شاہکار نقشِ تصورِ حسیں

یک تلاشِ مستقل قسمتِ آدمی رہی
دوڑ چلا اسی طرف شمع جلی جہاں کہیں

ا یقیں سے رونما ظلمتِ شب طرازِ وہم
وہم سے گاہ جلوہ ریز چہرۂ نیّرِ یقیں

تنے صنم تراش گئے دستِ خیال کے طفیل
کتنے یقیں گماں بنے کتنے گماں بنے یقیں

تنے خطیب و فلسفی آئے یہاں فسوں بہ لب
کتنی سیاستیں اٹھیں اوڑھے ہوئے نقابِ دیں

ھک گئی چشمِ انتخاب ایک نظر مزارِ بت
پھیر لے کس طرف سے رخ کس کی طرف جھکے جبیں

ظ و بیاں کی ساحری دل کو سکوں نہ دے سکی
خونِ جگر میں تر رہی دستِ طلب کی آستیں

خرِ کار ٹھوکریں درسِ حیات بن گئیں
منزلِ تجربات میں جانچے گئے اصولِ دیں

ک و قبول میں حکم علم تھا اب عمل بنا
حسنِ مآل کی طرف جھکنے لگے دل و جبیں

علم فقط گمان ہے شے کا، عمل یقینِ ذات
ختمِ سفرِ گماں نہ تھا، حدِ تلاش تھی یقیں

شرطِ قبولیت ہوا اب یہ بسیط کلّیہ
جس کا مآل ہو بجز دین وہی ہے اصلِ دیں

دینِ محمدی بھی تھا ایک تصورِ حسین
گر عملی مظاہرہ کرتے نہ ختمِ مرسلیں

بن گیا اسوۂ رسول بہرِ رجالِ کائنات
نقطۂ ختمِ جستجو، منزلِ آخرِ یقیں

راہِ عمل میں ہر طرف جیسے چراغ جل اٹھے
نورِ مبیں سے سج گئی دینِ حنیف کی جبیں

منزلِ تجربات میں تھی مگر ایک تشنگی
نقشِ کمال ہو کوئی بہرِ نساءِ عالمیں

فاطمہؑ پہ نظر پڑی فاطرِ کائنات کی
طینتِ طاہرہ ملی فکرِ بلیغ کی امیں

راہِ عمل میں ہر قدم عینِ مشیتِ الٰہ
منزلِ فکر و فہم میں وارثِ شہرِ علمِ دیں

رک گئی چشمِ انتخاب بن گئیں بنتِ مصطفیٰؐ
بہرِ نساءِ کائنات نائبِ ختمِ مرسلیں

صنفِ لطیف کے لیے ان کا عمل سند ہوا
جیسے نبی کی خاکِ پا سرمۂ چشمِ مومنیں

بعدِ رسولؐ و فاطمہؑ چند نئے مقام آئے
چشمِ حیات پھر اٹھی سوئے منارۂ یقیں

ایک علیؑ کا گھر ملا وارثِ فکرِ مصطفیٰؐ
جس کا ہر ایک فرد تھا جلوۂ ختمِ مرسلیں

رہبرِ مسلکِ رسولؐ چشمِ حسنؑ، دلِ حسینؑ
شرحِ شعارِ سیدہؑ اسوۂ زینبِ حزیں

جب بھی کسی مقام پر تیرہ ہوئی رہِ حیات
ان کے نقوشِ پا بنے مشعلِ جادۂ یقیں

آخری اک مقام تھا دشتِ مصافِ کربلا
روحِ رسولؐ کو صدا دیتے تھے جب اصولِ دیں

نیابتِ رسولؐ درد بہ دل اٹھے حسینؑ   فاطمہؑ بن کے ساتھ ساتھ ثانیٔ فاطمہؑ چلیں .

نا ہی بعدِ سیّدہ رتبۂ زینبؑ حزیں   ختمِ رسل سے جتنا کم ختمِ رسل کا جانشیں

اہِ طلب کا رہنما نقشِ قدم حسینؑ کا   اہلِ حرم کا پردہ پوش سایۂ زینبِؑ حزیں

ھائی بہن کا ارتباط ایک نگاہ ایک فکر   ایک خیال، اک عمل، ایک اصول اک یقیں

شتِ مصاف میں حسینؑ شارحِ معنیٔ کتاب   خیمے میں خواہرِ حسینؑ حرمتِ بیت کی امیں

رب و بلا کی شام تک، جہدِ حسینؑ کا محاذ   کرب و بلا سے شام تک منزلِ زینبِؑ حزیں .

جلتے ہوئے خیام میں حفظِ امام کی امیں   کوفے کے ازدہام میں شیرِ خدا کی جانشیں

کرب و بلا میں ماں کا پیار شام میں قہرِ کردگار   بیشِ حسینؑ فاطمہؑ بیشِ یزید شاہِ دیں

اہلِ ستم کے قصر پر ضربِ شدیدِ ذوالفقار   اہلِ حرم کے فرق پر تاجِ بنات کا نگیں

بعدِ شہادتِ حسینؑ فکرِ امام کی مشیر   رحلتِ سیّدہ کے بعد نائبِ ختمِ مرسلیں

سحر زدہ قلوب پر نقش طرازِ کربلا   بتکدۂ یزید میں حرمتِ کعبہ کی امیں

چہرۂ دہر پہ ضو فشاں گردِ زمینِ کربلا   ظلمتِ شب پہ طعنہ زن نورِ ستارہ جبیں

کرب و بلا کی فاطمہؑ، کوفہ و شام کی حسینؑ   زورِ خطاب میں علیؑ درس میں ختمِ مرسلیں

جس نے زبان بخش دی خامشیٔ شہید کو   جس نے دلوں میں بھر دیا جبرِ یزید کا یقیں

جب بھی کبھی زباں کھلی چھڑ گیا قصۂ شہید   جب بھی کہیں قدم رکے آگئی کربلا وہیں

پہلی صدا پہ چونک اٹھی خوابِ گراں سے کائنات — روح میں جذب ہو گیا خطبۂ زینبِ حزیں

جس کو کیا گیا تھا قتل روحِ حیات بن گیا — جس کو کفن نہ تھا نصیب چھین لی اُس نے

جس کو اماں نہ مل سکی خانۂ کردگار میں — اب وہی بے دیار تھا ہر دلِ زندہ کا مکیں

کرب و بلا سے شام تک شام سے تا بہ حدِ زیست — ثبت رہے گا دہر پر نعرۂ زینبِ حزیں

سبطِ رسولؐ کی قسم، روحِ بتولؐ کی قسم — ظلم و ستم کی حد تو ہے صبر کی کوئی حد نہیں

تعبیر شکن

گر گئے قصرِ حسینیت کی تعمیریں   وہ تیرے شام کے خطبے تیری کوفے کی تقریریں
بے پردگی سے چونک اٹھیں ایماں کی تنویریں   تری رسوائیاں تھیں خود تری عصمت کی تفسیریں

الٹ دیں تو نے زینبؑ کفر کے خوابوں کی تعبیریں

لے رہی ہے امتحانِ ثانیٔ زہراؑ   ہزاروں آفتیں اور ایک جانِ ثانیٔ زہراؑ
دیکھیے مگر اس پر بھی شانِ ثانیٔ زہراؑ   تعالَ اللہ! تاثیرِ بیانِ ثانیٔ زہراؑ

جفا کیشوں کے ہاتھوں سے چھٹی جاتی ہیں شمشیریں

عذر خواہی کر رہی ہیں سرد آہوں سے   فضائیں گونج اٹھی ہیں دھیمی دھیمی سی کراہوں سے
جیسے بصارت چھینے لیتا ہے نگاہوں سے   برہنہ سر گزرتا ہے کوئی کوفے کی راہوں سے

اُجالے چھپ رہے ہیں ڈوبتی جاتی ہیں تنویریں

نہ دے آواز یوں بے باک ہو کر قہرِ داور کو　　اسیرِ زعمِ باطل عرش سے ٹکرا نہ یوں سر کو
نہ ہو مسرور ظالم چھین کر زینبؑ کی چادر کو　　بدلتے دیر کیا لگتی ہے تحریرِ مقدر کو
کہ بن جائیں گے تار اس کے ترے قدموں کی زنجیریں

نظر کے سرد شعلے ٹوٹتے ہیں برق بن کر بھی　　لبِ خاموش پر لرزاں نظر آتا ہے محشر بھی
دیارِ شام نے دیکھے ہیں زینبؑ کے وہ تیور بھی　　مٹا دیتا ہے دستِ عزم تحریرِ مقدر بھی
کہ جب نظریں اٹھا دی ہیں بدل ڈالی ہیں تقدیریں

قاسم ابنِ حسنؑ

سکونِ روح کا نغمہ ہے دین کا آہنگ — نہ بے حسی نہ کراہیں نہ قہقہے نہ ترنگ

بس اک لطیف تبسم ورائے راحت و غم — نہ شورِ گریہ نہ شیون نہ شورشِ دف و چنگ

یہاں کچھ اور ہے مرگ و حیات کا مفہوم — جدا زمانے سے اہلِ رضا کی ہے فرہنگ

حیات مرگِ مسلسل نفس کے دھارے پر — سکوتِ مرگ میں لرزاں حیات کا آہنگ

مفادِ ذات سے بالا ہیں امرِ حق کے نقیب — نہ زندگی سے گریزاں نہ موت سے دل تنگ

بس اتنی شرط کہ فتنے کا سر کچل جائے — خود اپنا سر بھی کٹانا پڑے تو غم نہ درنگ

بس ایک دھن کہ رہے دینِ حق کا سر اونچا — نہ موت وجہِ تردد، نہ قید باعثِ ننگ

نہ زندگی کے حوادث میں بل جبینوں پر — نہ موت چھین سکے ان سے زندگی کی امنگ

جہاں سے جیسے بھی ہٹ جائیں راہ کے پتھر — نہ صلح نقطۂ ختمِ سفر نہ عرصۂ جنگ

ہر اک محاذ پہ باطل سے مستقل ٹکراؤ — جہادِ سیف بھی پیکار جہدِ نفس بھی جنگ

ہمیشہ پیشِ نظر نبضِ وقت کی رفتار — فضا کے ساتھ بدلتا ہوا دفاع کا ڈھنگ

حصارِ قصرِ صداقت کا صلح کی زنجیر — شکستِ فتنۂ باطل محاذِ تیر و تفنگ

کہیں رسولؐ کی شفقت کہیں علیؑ کا جلال — کبھی حسنؑ کی خموشی کبھی حسینؑ کی جنگ

پئے حفاظتِ حق بہترین راہِ عمل — رہا یہ اپنے زمانے میں ہر امام کا ڈھنگ

برائے نام حسینؑ و حسنؑ جدا ہیں مگر
محاذِ وقت پہ یکساں ہے فکر کا آہنگ

حسینؑ ہوتے اگر عہدِ مجتبیٰؑ میں امام
تو یہ بھی صلح میں کرتے نہ اس عمل پہ درنگ

جبیں پہ چاند سجاتی ضیائے سوزِ دروں
لبوں پہ پھول کھلاتا جگر کے خون کا رنگ

خموشیِ لبِ شبیرؑ تا بہ عہدِ یزید
سنا گئی کہ حسینؑ و حسنؑ تھے ہم آہنگ

حسنؑ کو مل نہ سکا دورِ کربلا ورنہ
زمانہ دیکھتا لڑتے یہ خود حسینؑ کی جنگ

تڑپ کے تیغ کی جھنکار میں بدل جاتا
رچا ہوا تھا جو فطرت میں صلح کا آہنگ

وصیتِ حسنؑ مجتبیٰؑ ہے اس کی دلیل
جو بن گئی پئے قاسم جوازِ رخصتِ جنگ

بیان کر گیا تعویذِ بازوئے قاسم
وہ راز جس پہ چڑھا تھا تقاضائے وقت کا رنگ

برائے نصرتِ شبیرؑ بہرِ شرکتِ جنگ
چلی بصورتِ قاسم حسنؑ کے دل کی امنگ

جمالِ احمدِ مرسل میں حل علیؑ کا جلال
جوانِ فکرِ حسنؑ پر دلِ حسینؑ کا رنگ

عجیب کیا ہے جو یہ بھی ہو وجہِ صلحِ حسنؑ
سنبھالیں ہوش جو قاسم تو ہو نفاق سے جنگ

اور آج فضلِ خدا سے جوان ہیں قاسم
پڑھی ہے خیر سے پروان ذہن و دل کی امنگ

بہ شکلِ تیغ مجسم ہے دستِ قاسم میں
رچی ہوئی تھی جو صلحِ حسن میں حسرتِ جنگ

سجا کے تیغ و سپر ماں نے جسمِ قاسم پر
دکھا دی سب کو مجسم حسنؑ کے دل کی امنگ

چلے ہیں جھوم کے بہرِ وغا کہ قدموں کو
سحر سے کھینچ رہا تھا محاذِ تیغ و تفنگ

ملا ہے اذنِ وغا کتنے انتظار کے بعد
کہ لمحہ لمحہ صدی تھا قدم قدم فرسنگ

جو لوگ صلحِ حسنؑ کو شکست سمجھے تھے
وہ بچشمِ فکر سے دیکھیں حسنؑ کے لال کی جنگ

ایک وار پہ یاد آرہی ہے ضربِ علیؑ — ملا ہے باپ سے ورثے میں یہ جہاد کا ڈھنگ

حسنؑ کے دل کا تصرف شریک ہے ورنہ — کہاں یہ طفل، کہاں ازرقِ لعین سے جنگ

یہ واقعہ ہے کہ قاسم کے خوں نے دھو ڈالا — چڑھا تھا صلحِ حسن پر جو وہم و ریب کا رنگ

ہے ذہن و فکر کی معراج فطرتِ قاسم — مزاجِ شعلہ و شبنم ہیں جس میں ہم آہنگ

ملا رہا ہے مدینے سے کربلا کی حدیں
حسنؑ کے خون پہ سوزِ دلِ حسینؑ کا رنگ

تجسیمِ وفا

سبطِ نبیؐ نے زخم کو مرہم بنا دیا
وہ غم دیا کہ دافعِ ہر غم بنا دیا

مشک اک حقیر پارچۂ چرم ہی تو تھی
وزنِ وفا نے کتنا مکرم بنا دیا

یوں فکرِ شاہ اکبر و عباس میں ڈھلی
شبنم کو شعلہ، شعلے کو شبنم بنا دیا

قائد نے بچے بچے کو فوجِ حسینؑ کے
رازِ حیات و موت کا محرم بنا دیا

ام البنین آپ کی آغوش پر سلام
حیدرؑ کی آرزو کو مجسم بنا دیا

ذوقِ وفا غلام کے اشکوں میں ڈھل گیا
حکمِ شہی نے شعلے کو شبنم بنا دیا

قدموں میں نہر، خیموں پہ نظریں، زباں خشک
عباس نے وفا کو مجسم بنا دیا

تاریخ کتنی ڈوب گئی خواہشات میں
جہدِ شہیدِ حق کو بھی مبہم بنا دیا

کچھ رو لئے تو سینے میں ٹھنڈک سی پڑ گئی
اشکِ عزا نے شعلے کو شبنم بنا دیا

جانا تھا تا بہ شام علمدار کے بغیر
زینبؑ نے بے ردائی کو پرچم بنا دیا

پرچمِ عباس

کربلا اس دور میں بھی مخزنِ انوار ہے
شب گزیدو کس کو کتنی روشنی درکار ہے

پرچمِ عباس کپڑا ہے تو پھر کیوں بار ہے
معترض پوچھ اپنے دل سے گفتگو بیکار ہے

یہ فضا جب آدمی سے آدمی بیزار ہے
منقبت عباس کی لکھنا بہت دشوار ہے

ظلم ہے، بیعت ہے، خوفِ دشمنا ہے، موت ہے
کربلا انکار ہے، انکار ہے انکار ہے

چہرۂ عباس اور چشمِ حسینؑ اور خامشی
کس قدر بے حرف و بے صوت و صدا گفتار ہے

خشک ہونٹوں کی طلب عباسؑ اور قدموں میں نہر
کس قدر آسان منزل کس قدر دشوار ہے

کربلا ہے اپنی کیفیت میں جاری آج بھی
آج بھی سچ بولنے والوں کی منزل دار ہے

جاتے ہیں عباس ہاتھوں میں لئے دو آیتیں
ایک میں مشک و علم ہے ایک میں تلوار ہے

اے مورخ پیکرِ عباس کا ظاہر نہ دیکھ
یہ تو زینب کی سپر شبیرؑ کی تلوار ہے

کربلا تاریخ کا چھوٹا سا اک قصہ نہیں
کربلا تاریخ کا سب سے بڑا کردار ہے

اک جھپٹ غازی کی رستہ صاف دریا زیرِ پا
یہ جو ہے فوجوں کا جمگھٹ ریت کی دیوار ہے

ڈھل گئی ہے جسمِ انسانی میں زہراؑ کی دعا
بازوئے عباس تعویذِ شہِ ابرار ہے

اس کو مرنا ہے ابھی تا ظہر ایک اک سانس پر
اس کی منزل دور ہے یہ فوج کا سردار ہے

تشنہ کام بہشتی

ہائے سکینہ کے بہشتی اے علمدارِ امام
تیری خاکِ قبر کو میری عقیدت کا سلام

اللہ اللہ بے امامت بھی یہ تیرا احترام
تو اماموں نے کیا ہے تیری تربت کو سلام

تو علم کا استعارہ خود علم تیرا نشان
تو غلامِ سبطِ پیغمبر وفا تیری غلام

تو پئے شبیرؑ تعویذِ دعائے سیدہؑ
تو بہ فکرِ کربلا پہ چشمِ علیؑ کا اہتمام

میرے شعروں کی مہک تیری وفاؤں پر نثار
میرے لفظوں کی دمک کا تیرے پرچم کو سلام

ثبت ہے پانی پہ اور مٹتا نہیں نقشِ وفا
آج بھی موجیں تڑپ اٹھتی ہیں سن کر تیرا نام

تو مسلسل اپنے شوقِ جنگ سے لڑتا رہا
تیری محرومی پہ خوں روتی رہی تیری حسام

کل سرِ ساحل رکا تھا اب بھی تو ساحل پہ ہے
نہر سے بھاگی تھی کل اب تک نہ لوٹی فوجِ شام

پا سکا پانی نہ اے پیاسے تیرے ہونٹوں کا لمس
اے بہشتی رہ گئی ہر موجِ دریا تشنہ کام

کیا عجب ہے حوضِ کوثر تو نے دیکھا بھی نہ ہو
کربلا سے خلد میں پہنچے نہ ہوں جب تک امام

جذبہ ہے ذروں میں اس کے آب مشکِ تشنگی
سرحدِ سعی وفا ہے تیرے روضے کا مقام

راہ تکتی ہے تیری یہ سوچ کر نہر فرات
لوٹ ہی آئے وہ شاید پھر گیا جو تشنہ کام

کی علمداری و سقائی کچھ اس انداز سے
بن گیا مشک و علم کا استعارہ تیرا نام

سیدہ ع کی مامتا تیرے نسب کا تاجِ سر
بہرِ زینب محسنِ مظلوم کا قائم مقام

تو نے صبر و ضبط کو عباس بخشا یہ شعور
کیا ہے تہذیبِ محبت کیا ہے تسلیمِ امام

حکم آقا ہو تو اپنا خون پینا بھی حلال
اور وفا بن جائے مہرِ لب تو پانی بھی حرام

عظمتِ عباس

ماں کی حسرت باپ کے دل کی دعا عباس ہیں
حیدرؑ و زہراؑ سے پوچھے کوئی کیا عباس ہیں

امرِ حق سے ہم انہیں معصوم تو کہتے نہیں
حدِ امکاں تک مگر دور ازِ خطا عباس ہیں

نو اماموں نے کیا خود آکے تربت پر سلام
بے امامت بھی وہ حدِ ارتقا عباس ہیں

کوئی رخ تصویر کا بے رنگ رہ سکتا نہیں
حاصلِ تربیتِ آلِ عباؑ عباس ہیں

سیدہؑ نے خود انہیں جب اپنا بیٹا کہہ دیا
آلِ پیغمبرؐ نہ ہوں آلِ عبا عباس ہیں

اک امامت کی کمی اک بابِ خیبر کی کمی
ورنہ جس پہلو سے دیکھو مرتضیٰؑ عباس ہیں

پیکرِ حیدرؑ، نگاہِ مجتبیٰؑ، قلبِ حسینؑ
کتنے روشن آفتابوں کی ضیا عباس ہیں

یا شبِ ہجرت کا بستر یا محاذِ کربلا
مہرِ تاریخِ وفا حیدرؑ رہیں یا عباس ہیں

بات کرلے شمر لیکن کھل نہ جائے اور بات
درمیانِ حق و باطل فیصلہ عباس ہیں

وفا کیا ہے

زاداری کا مقصد اور کچھ اس کے سوا کیا ہے
کہ دنیا کو بتا دیں ربطِ دین و کربلا کیا ہے

کچھ اور اس کے سوا پیغامِ جہدِ کربلا کیا ہے
کہ حشمِ آلِ پیغمبرؐ میں مفہومِ قضا کیا ہے

نہ پوچھ ربطِ عباسؑ و شہیدِ کربلا کیا ہے
یہ سوچو حشمِ پیغمبرؐ میں شانِ مرتضیٰؑ کیا ہے

گئے عباسؑ تو یک گام تھا لوٹے تو بے پایاں
نہ جانے نہر سے خیمے کے در تک فاصلہ کیا ہے

شبِ ہجرت میں حیدرؑ کربلا میں ثانیٔ حیدرؑ
سرِ تاریخِ انساں اور معیارِ وفا کیا ہے

دلِ عباسؑ کے اٹھتے ہوئے طوفان سے پوچھو
امامِ وقت کی منزل ہے کیا اس کی رضا کیا ہے

جنابِ سیدہؑ عباسؑ کو بیٹا سمجھتی ہیں
ذرا اس رخ سے سوچو سیدہؑ کی مامتا کیا ہے

جہادِ حق میں اظہارِ شجاعت کا صلہ جنت
رہِ تسلیم میں ضبطِ شجاعت کا صلہ کیا ہے

لبِ عباسؑ کی تشنگی سے آبِ نہر سے پوچھو
کہ اولادِ ابو طالب کا معیارِ وفا کیا ہے

علمدارِ حسینیؑ میں نقائص ڈھونڈنے والو
تمہیں معلوم ہے تربیتِ آلِ عبا کیا ہے

علیؑ کا شیر اسیرِ مرضیٔ معصوم ہے ورنہ
زمیں پھر دیکھ لے اندازِ جنگِ مرتضیٰؑ کیا ہے

علم عباسؑ کو ملنے ہی والا ہے ذرا سر در
بہن سے پوچھ لیں جا کر ان کا فیصلہ کیا ہے

ایک ذات ہزار نام

کردار جس شعور و بصیرت کا نام ہے
عباسؑ اس کے نقطۂ عظمت کا نام ہے

بازو کے زور، فکر کی عظمت کا نام ہے
عباسؑ مرتضیٰؑ کی وراثت کا نام ہے

سایہ فگن ہے آج بھی عباسؑ کا علم
اس دین پر جو روح کی عظمت کا نام ہے

تلوار پاس سینے میں طوفاں مگر خموش
عباسؑ ضبطِ غیظ کی قوت کا نام ہے

جہدِ وفا میں اسوۂ عباسِؑ نامدار
ایثار کی عظیم روایت کا نام ہے

بھرے جو مشک ہونے نہ دے خشک لب کو تر
عباسؑ اس احتیاطِ طبیعت کا نام ہے

عباسؑ اس شریعتِ حق کا ہے پاسباں
شبیرؑ جس عظیم شریعت کا نام ہے

جرأت حصارِ چشمِ امامت میں ہے اسیر
عباسؑ ادب شناسِ شجاعت کا نام ہے

عباسؑ سیدہ کی دعا، حسرتِ علیؑ
عصمت کے دل نگاہِ امامت کا نام ہے

پانی نے آزمائی تھی عباسؑ کی وفا
پانی اب اس وفا کی علامت کا نام ہے

لالِ ہاشمی میں جلالِ نبی اسد — عباسؑ اعتبارِ نجابت کا نام ہے

ہے اعتمادِ سبطِ نبیؐ کا نشان علم — مشکیزہ اک چچا کی محبت کا نام ہے

ل چاند سیدہؑ کے بھرے گھر کی آرزو — عباسؑ روحِ خانۂ عصمت کا نام ہے

ہے کربلا ضرورتِ شبیرؑ و مصطفیٰؐ — عباسؑ کربلا کی ضرورت کا نام ہے

ے موت اسے نہ چھین کہ یہ شیرِ حق کا شیر — زینبؑ کے اعتمادِ حفاظت کا نام ہے

شاہد عجیب لوگ ہیں اس دورِ جہل کے
پھیلا رہے ہیں کفر شریعت کا نام ہے

وفا کا اشاریہ

جب بھی زمیں پہ ظلم نے طوفان اٹھائے ہیں — انوارِ کربلا نے اندھیرے مٹائے ہیں
کرتی رہی ہے رد انہیں دیوارِ کربلا — باطل کے جب بھی جتنے بھی سیلاب آئے ہیں
ظلمت بڑھی ہے جب بھی سوئے جادۂ طلب — اہلِ وفا کے نقشِ قدم جگمگائے ہیں
محفوظ ہو گئے غمِ دنیا کی دھوپ سے — جو دل غمِ حسینؑ کے سائے میں آئے ہیں
ہر دور میں یزید نے حق پر کئے ہیں وار — ہر دور میں حسینؑ سپر بن کے آئے ہیں
ٹوٹے دلوں کی آج بھی منزل ہے کربلا — اس سرزمیں پہ آج بھی رحمت کے سائے ہیں
ہر منزلِ حیات پہ عباس کے علم — دینِ خدا کا آج بھی پرچم اٹھائے ہیں
عباس آج بھی ہیں وفا کا اشاریہ — عباس آج بھی نگہ و دل پہ چھائے ہیں
عباس پر ہے آج بھی اسلام کی نگاہ — عباس آج بھی علمِ حق اٹھائے ہیں
تاریک ہو گئی ہے جہاں منزلِ طلب — اس باوفا کے نقشِ قدم جگمگائے ہیں
ہنس کر پدر کی گود میں عباس آئے ہیں — مدت کے بعد آج علیؑ مسکرائے ہیں

یوں لئے علم و مشک آئے ہیں
شانوں پہ جیسے بارِ دو عالم اٹھائے ہیں

پہ جگمگاتی ہے نورِ وفا کی ضو
پلکوں پہ ضبطِ شوق نے تارے سجائے ہیں

م شکستِ عدو فتح ہم رکاب
سر پر دعائے ثانیِ زہرا ؑ کے سائے ہیں

وہی، جلال وہی، دبدبہ وہی
خیبر میں جیسے حیدرِ ؑ کرار آئے ہیں

لے اٹھے جو غیظ سے دیکھا ہے سوئے فوج
بجلی گری جو تھم کے کہیں مسکرائے ہیں

اس جری کو روکے گا تسخیرِ نہر سے
بیکار ہیں جو شمر نے پہرے بٹھائے ہیں

حشر تک نہ چھوڑیں گے دامن فرات کا
دل میں یہ عزم لے کے سوئے نہر آئے ہیں

عاشور کو رکے تھے سرِ ساحلِ فرات
صدیوں کے بعد آج بھی قبضہ جمائے ہیں

محیطِ اقتدار

فیضِ خرد سے کر لیا ذہنِ بشر نے اختیار
جہد و عمل کا انجماد فکر و نظر کا انت

آج بھی روحِ عصر پر ہے وہی کربِ انتظار
کاوشِ عشرتِ سکوں حسرتِ لمحۂ قـ

دے نہ سکے حیات کو وہم و شکوک کے سوا
منطق و فلسفہ کہ تھے ذہنِ بشر کا شاہ

اور الجھ کے رہ گیا رازِ حیات و کائنات
کاوشِ علم نے کئے جتنے رموز آشکا

عقل کو ماننا پڑا وہمِ خرد ہے آسماں
بن تو گئی بزعمِ خویش طائرِ آسماں شکـ

بات یہ ہے کہ فکر ہے ہوش و جنوں کا امتزاج
اور بشر نے کر لیا صرف خرد پہ انحصا

دستِ خرد نے ڈال دیں پائے جنوں میں بیڑیاں
ناخنِ عقل نے کیا دامنِ عشق تار تا

ذوقِ طلب نے اوڑھ لی جھک کے ردائے خامشی
مصلحتوں نے روک دی پائے جنوں کی گیر و دا

عقل سمٹ کے رہ گئی حدِ مفادِ ذات میں
محورِ فکر بن گیا خود نگری کا کاروبا

کارِ جنوں کہی گئیں عالمِ دل کی وسعتیں
مادیت کے شور میں دب گئی روح کی پکا

ایسے میں کس سے کیجئے ذکرِ جہادِ کربلا
جس کی نباہی کی گئی جذبِ طلب پہ استوا

جس کی ہوائیں جذب ہے جراتِ قلب و سوزِ روح
جس کا ہر ایک ذرہ ہے ذوقِ وفا کی یادگا

کس سے کہیں کہ دفن ہیں اس میں کچھ ایسے سرفروش
جن کو نہ دے سکا شکست سلطنتوں کا اقتدار

جن کی وفا پہ بار تھا تذکرۂ عطائے غیر
جن کی نظر میں ہیچ تھا سیم و گہر پہ اختیار

طلب سے گرد تھی سختیِ جادۂ حیات
جن کی نظر میں موت تھی گلشنِ زیست کی بہار

ہم شخصیت کس کی سمجھ میں آسکے
ایسے مجاہدوں کو ہو جس کی کماں یہ افتخار

لم عطا ہوا ایسی عظیم فوج کا
ہائے وہ بطلِ حریت اف وہ محیطِ اقتدار

بج ہیں یا بجٌ تو ہے کہ شیرِ کردگار
آگئی تا بہ کربلا بدر و احد کی کارزار

یشۂ صفا، عطرِ حدیقۂ وفا
روحِ خلوص و اعتماد، عینِ یقین و اعتبار

زمِ جعفری، وارثِ رعبِ حیدری
نازِ جہانِ صفدری، تیغ و علم کا افتخار

م کا آسرا بانوئے شاہ کی ردا
پردۂ زینبِ حزیں قلبِ حسینؑ کا مدار

تمہیدِ کربلا ہدیۂ بنتِ مرتضیٰؑ
نذرِ حسینؑ کے لئے تحفۂ شیرِ کردگار

تبی سے پوچھئے بنتِ علیؑ سے پوچھئے
تیری وفاؤں کا مقام تیرے خلوص کا وقار

دینہ کی قسم روحِ سکینہ کی قسم
تیرے لہو نے کر دیا دشتِ وفا کو لالہ زار

یں تیرے اہلبیت حجلۂ امن کے مکیں
بعد تیرے وہی حرم بے کس و بے در و دیار

نہر فرات آج تک دیکھ رہی ہے راستہ
لوٹ کے شاید آہی جائے پیاسا گیا ہے جو سوار

احتیاط

ہے جب سے وردِ زبان نامِ بازوئے شبیرؑ
مرے اشاروں پہ چلتی ہے گردشِ تقد

بسی ہوئی ہے نگاہوں میں اک حسین تصویر
جو خود ہی خواب ہے اور خود ہی خواب کی تعبی

میں داستانِ وفا لکھ رہا تھا کاغذ پر
نہ جانے کھنچ گئی کیوں ایک مشک کی تصو

جسے دبائے تھا دانتوں میں ایک مردِ جری
علم لئے ہوئے اک ہاتھ ایک میں شمشی

جلالِ شیرِ خدا ہاشمی جمال میں جذب
کہ جیسے قطرۂ شبنم پہ برق کی تنویر

نظر کے خم میں نہاں سطوتِ ابوطالب
جبیں کے بل سے عیاں شوکتِ جنابِ ا

کفِ رکاب میں پابستہ وقت کی رفتار
اسیر ماتھے کی سلوٹ میں گردشِ تقدیر

کھنچا یہ منظرِ فکری جو سطحِ کاغذ پر
تو یک بہ یک متحرک سی ہو گئی تصویر

محاذِ کرب و بلا چھا گیا تصور پر
وہ مشکِ آب، وہ عباس اور وہ فوجِ شر

ادھر یہ ضد کہ نہ پہنچے خیام میں پانی
ادھر یہ فکر کہ پیاسے رہیں نہ طفلِ صغیر

حسینؑ دیکھتے ہیں غور سے سوئے عباس
دعا لبوں پہ نگاہوں میں باپ کی تصویر

یہ عمر بھر کی ریاضت کی آزمائش ہے
یہ دیکھنا ہے کہ کیا تربیت نے کی تاثیر

محاصرے سے نکلنا تو کوئی بات نہیں
علیؑ کے شیر کو روکے گی کیا یہ فوجِ شر

مگر عدو ہی نہیں اپنی ذات سے بھی ہے جنگ
کہ اس محاذ پہ ٹکرا رہے ہیں نفس و ضمیر

یاس پانی بھی اور تین دن کی پیاس بھی ہے
وفا ہے صبر طلب جبرِ ذات دامن گیر

امتحانِ وفا دے رہا ہے آج جری
نہ لا سکے گی ابد تک حیات جس کی نظیر

عجیب ہے کیفیتِ دلِ عباس
کہ شعلہ تاب ہے رگ رگ میں خونِ خیبر گیر

سوچتے ہیں کہ بابا کا اعتبار ہوں میں
خجل نہ ہوں شہِ لولاک سے جنابِ امیر

ری طرف ہیں نگاہیں تمام عالم کی
مجھے سمجھتے ہیں سب سبطِ مصطفیٰؐ کا ضمیر

نہ زمن کو بڑا اعتبار ہے مجھ پر
کہ میں ہوں ضامنِ تکریمِ چادرِ تطہیر

سی خیال میں گم بڑھ رہے ہیں سوئے خیام
کہ انتظار میں ہے چشمِ طفل ہائے صغیر

چاہتے ہیں پہنچ جائیں جلد خیموں تک
کم از کم اپنی طرف سے نہ ہو کوئی تاخیر

سنبھالتے ہیں کبھی مشک کو علم کو کبھی
کبھی سکینہ ہے پیشِ نظر کبھی شبیرؑ

رتی پلکوں پہ شبنم کبھی، کبھی شعلے
کبھی حرم پہ نظر گاہ سوئے فوجِ شریر

مشک دانتوں میں لیکن اس احتیاط کے ساتھ
کہ لب کو چھو نہ سکے مشک کی خنک تاثیر

یہ ہے مودتِ قربیٰ، یہ ہے رسول کا اجر
عمل سے ہوتی ہے قرآں کی اس طرح تفسیر

یہی ہے ماں کی وفا ساز تربیت کا اثر
یہی ہے باپ کی راتوں کے خواب کی تعبیر

یہی ہے جس کے سہارے پہ مطمئن تھے علیؑ
یہی ہے سوزِ دعائے بتولؑ کی تاثیر

اس احتیاطِ طبیعت کا نام ہے عباس
اس اعتماد کو کہتے ہیں بازوئے شبیرؑ

وفا کا حشم

وہ کیفِ خواب، یہ تعبیرِ خواب کا عالم
ضمیرِ کُن کی ہیں دو کروٹیں وجود و عدم

رُکے تو بحرِ فنا ہے، بہے تو سیلِ حیات
وہ موجِ نور کہ ہے فاطرِ حدوث قدم

ہر اک ابھرتے ہوئے منظرِ حیات کے ساتھ
رواں ہے جذبۂ تخلیق بھی قدم بہ قدم

زکافِ کتمِ عدم تا بہ نونِ نقشِ وجود
دھڑک رہا ہے پسِ "کُن" دلِ وجود و عدم

غروبِ نقشِ کہن ہے طلوعِ نقشِ جدید
ہے زخمِ زیست ہی خود زخمِ زیست کا مرہم

ارادہ اور عمل ایک ہیں مشیت میں
جو لفظِ کن وہی مفہوم دل نہ بیش نہ کم

وہ دل جو جسمِ مشیت میں تیشۂ تخلیق
وہ دل جو دستِ مصور میں نقش کارِ قلم

وہ جس کی موجِ نفس زندگی، سکوت اجل
وہ جس کے ہوش کا عالم وجودِ خوابِ عدم

وہ جس کی جنبشِ بے ساختہ نمودِ حیات
فضائے منظرِ کونین جس کا نقشِ قدم

وہ جس کے دامِ تصور میں خامشی بھی صدا
وہ جس کے دامنِ تخیّل میں عرب بھی عجم

شعور جس کا حُدی خواں ضمیر جس کا نقیب
میانِ واجب و ممکن وہ جادۂ محکم

ہر ایک راز سے پردہ اٹھا دیا جس نے
خود اپنی ذات کا لیکن نہ ہو سکا محرم

جہاں نگر تھا نہ دیکھا مگر خود اپنی طرف
کہ اس کے اپنے ہی دامن میں تھا اک عالم

خیال و وہم کے صحرا، یقین کے گلزار
سرورِ نغمۂ شادی، گدازِ نوحۂ غم

ِ کا دشت، جنوں کا چمن، طلب کی بہار
حیا کا نور، ادب کی ضیائ، وفا کا حشم

کا نام لیا یاد آ گئے عباس
علیؑ کی یاد دلاتا ہے جیسے ذکرِ حرم

ییائے تربیت چشمِ مرتضیٰؑ کی قسم
برائے سیدہؑ تو بھی نہیں حسینؑ سے کم

ینؑ دیتے ہیں عباسِ باوفا کو علم
بہ یادِ جعفرِ طیار و سرورِ عالم

ئی حسینؑ کے قلب و نگاہ سے پوچھے
ترے خلوص کا رتبہ تری وفا کا حشم

سکینہ کی ڈھارس سکونِ بنتِ علیؑ
نقاب بانو سے بے کس ردائے اہلِ حرم

ئے نصرتِ شبیرؑ تحفۂ حیدرؑ
ہر اک عمل میں ضمیرِ حسینؑ کا محرم

باسِ پیکرِ انساں میں ذوالفقارِ علیؑ
محاذِ کفر پہ ایماں کی سدِّ مستحکم

ہر ایک گام پہ تصویرِ اسوۂ شبیرؑ
عظیم ہدیۂ کلثومؑ بہرِ شاہِ امم

سب میں فاطمہؑ زادہ نہیں مگر سیّد
ہر اک بشر سے زیادہ بس اک امام سے کم

نیابتِ بوذر و سلماں، تہورِ مالک
جدا جدا تھے وہاں اس کی ذات میں تھے بہم

حسینؑ گود میں لیجے عطا ہوئے عباس
بہت حضور کو تھا محسنِ شہید کا غم

بنی ہاشم کا چاند

اب سپردِ کربلا ہے خدمتِ حفظِ حرم
اب قیامت تک نہ سوئے کعبہ دیکھیں گے صنم

سرفروشانِ وفا کی سعیٔ پیہم کی قسم
کربلا نے روک دی گرنے سے دیوارِ حرم

کربلا تعبیر ہے ان فاتحانِ مرگ سے
توڑ دی جن کی رگِ گردن نے شمشیرِ ستم

جن کے سانسوں کی مہک میں بوئے انفاسِ علیؑ
جن کی نبضوں کے لہو سے سینۂ ایماں میں دم

جن کے ہونٹوں کی ہر اک جنبش میں قرآں کا مزاج
جن کے تیور کا جلال آیاتِ یزداں کا حشم

وہ کفن پہنے مجاہد، وہ جیالے سرفروش
عرش پر جن کی نگاہیں فرش پر جن کے قدم

جن کے چہروں کی دمک تضحیکِ زعمِ خسروی
جن کی ٹھوکر کا ہدف تاجِ سرِ کسریٰ و جم

جن کے معیارِ وفا پر فاطمہؑ کو اعتماد
جن کا اندازِ رضا چشمِ نبیؐ میں محترم

یاور و انصار وہ زینبؑ جنھیں بھائی کہیں
اقربا وہ خود کو جو سمجھیں غلاموں سے بھی کم

کتنی صدیوں نے گرائے ان کے چہروں پر نقاب
اب بھی روشن ہیں وہ تارے گھٹ گیا صدیوں کا دم

تارے ہیں جبینِ عرش ہے جن کا مقام — یہ وہ تارے ہیں خدا خود جن کی کھاتا ہے قسم

ارے جن کی گردش امتیازِ کفر و دیں — وہ ستارے جن کے تیور فاصلِ دیر و حرم

ن شبیرؑ پر برسیں تو شبنم کی پھوار — حلقۂ اشرار پر ٹوٹیں تو شمشیرِ دو دم

ستارے ہیں جوارِ چادرِ تطہیر میں — ان ستاروں سے منور ہیں در و بامِ حرم

نھیں تاروں کا مرکز ہے بنی ہاشم کا چاند — ہاں انھیں تاروں کا محور ہے پیمبر کا علم

اللہ! مدحتِ عباسؑ غازی اور ہم — جسکے قدموں پر جبیں ہوتی ہو ان تاروں کی خم

ی زادہ نہ ہونے پر بھی اتنا محترم — سب سے افضل صرف امامِ وقت سے رتبہ میں کم

و کے جسکے دوش کو مشکِ سکینہ جھوم اٹھے — جھک کے چومے جس کے بازو کو پیمبر کا علم

فِ زینبؑ میں جو ہو شیرِ خدا بعدِ علیؑ — اہلبیتِ مصطفیٰؐ سمجھیں جسے بابِ کرم

سم و عون و محمد پیشوا مانیں جسے — دیکھ کر جس کو سرِ ہم شکلِ پیغمبر ہو خم

ں کی قوت زورِ بازوئے حسینؑ ابنِ علیؑ — جس کا ورثہ جعفرِ طیار و حیدرؑ کا علم

ں کے پیکر میں مجسم روحِ کردارِ علیؑ — جس کی نبضوں میں ابوطالبؑ کے خوں کا زیر و بم

ستجوئے چشمِ حیدرؑ آرزوئے فاطمہؑ — دیدۂ زینبؑ کی خنکی پردۂ اہلِ حرم

اماموں نے کیا ہے جس کی تربت کو سلام — بے امامت چشمِ حق بیں میں جو اتنا محترم

ں نے ساری عمر اپنے بھائی کو آقا کہا — جس کی نظروں میں بہن تھی ماں سے بڑھ کر محترم

فاطمہؑ نے مامتا بخشی جسے مثلِ حسینؑ — دھو دیا جس نے دلِ شبیرؑ سے محسن ک

شاہکارِ کاوشِ تربیتِ ام البنین — جرعہ نوشِ گرمیِ آغوشِ مولودِ ح

مرنے والی فوج کی کردار سازی کا امیں — عازمِ فردوس لشکر کا نگہبانِ ع

ہائے وہ غازی جسے پینا پڑا اپنا لہو — ہائے وہ تلوار جس کو کھا گیا خود اس ک

وہ مداوا دردِ بے اولادیٔ کلثوم کا — وہ شجر سائے میں جس کے مطمئن اہلِ

وہ جو کہتے ہیں کہ فرضی ہیں حکایاتِ جلال — کھا کے دیکھیں تو ذرا عباسؑ کی جھوٹی

رخ بدل دیتے ہیں اکثر گردشِ ایام کا — ہم کہ ہیں عباسؑ کے ادنیٰ غلاموں کے

رتبہ دانِ منزلِ عباسؑ زینبؑ یا حسینؑ

رتبہ دانِ منزلِ عباسؑ شاہدؔ تم نہ ہم

وہی شعلہ وہی شبنم

...ھا اتنا خیالِ کربلا میں سوزِ تنہائی
نگاہِ گرم اٹھی حدِ نظر تک جل گیا پانی

...نکھوں سے برسا خشک ہونٹوں کے تصور میں
سرِ دامن پہ دریا بن گئی اشکوں کی طغیانی

...شبیرؑ دردِ مشترک ہے ساری دنیا کا
ہے عالمگیر و عالم سوز اس کی زخم سامانی

...ش پائے شبیرؑ اب بھی اتنے ہی درخشاں ہیں
نہ پہنچا کربلا تک وقت کا چڑھتا ہوا پانی

...ہیدوں کے لہو کا قطرہ قطرہ شرحِ ایماں ہے
مجاہد لکھ گئے ہیں خون سے تفسیرِ قرآنی

...ا تو خون ہم شکلِ پیمبر دشت میں لیکن
ڈبو کر رکھ گئی باطل کو ہر قطرے کی طغیانی

...ونک تیر بن کر رہ گئی باطل کے سینے میں
جہادِ حق میں اصغر کی تبسم ریز قربانی

...لا شبیرؑ کا گھر دینِ احمدؐ لہلہا اٹھا
چمن بردوش تھی اس خیمۂ سوزاں کی ویرانی

...صارِ قلعۂ ایماں تھی بیڑی پائے عابدؑ کی
غلافِ کعبہ تھی اہلِ حرم کے سر کی عریانی

...ر اک جنبش سرِ زینبؑ کے گیسوئے مطہر کی
فضا میں دستکیں دیتی تھی بہرِ حفظِ ایمانی

...یطِ دہر ہی تھا اثر اس جہدِ کامل کا
کہ اک لمحے سے لے کر تا ابد تھی اس کی تابانی

...ندازِ حلقۂ وقت و مکاں تھی فکرِ شبیریؑ
ابد کی وسعتوں تک دیکھتا تھا احمدؐ ثانی

...سینؑ اس معرکے میں جانشیں تھے اپنے نانا کے
یہ تھے مثلِ نبیؐ صورت نگارِ امرِ ربانی

...ے تو یہ کوئی امکانِ لغزش اس مدبر سے
کہ جس کا ہر قدم تھا ضامنِ اقدارِ قرآنی

حسینی فیصلہ تھا فیصلہ فکرِ محمدؐ کا　　حسینی فیصلہ تھا مظہرِ تقدیرِ یزد...
حسینی فیصلہ تاریخِ مستقبل کا محور تھا　　حسینی فیصلہ تھا ناشرِ احکامِ قر...
حسینی فیصلے نے رخ بدل ڈالا سیاست کا　　حسینی فیصلے کی زد پہ تھا اجلالِ سلط...
حسینی فیصلہ تھا فیصلہ معصوم فطرت کا　　حسینی فیصلے کو چھو نہ سکتی تھی پشیما...
حسینی فیصلہ ایمان کی برہانِ قاطع تھا　　حسینی فیصلہ تھا قاطعِ برہانِ سفیا...
اسی سے کیجیئے اندازہ اس کی وسعتِ دل کا　　اس آئینے میں آئے گی نظر اس رخ کی تا...
حسینی فیصلے نے جس کو احمدؐ کا علم بخشا　　جسے تفویض کی اپنے سوا ہر اک پہ سلطا...
جسے سونپا گیا بارِ قیادت ان رفیقوں کا　　کیا کرتے تھے جن کی مدح خود محبوبِ سبحانی
جسے ترجیح دی شبیرؑ نے اولادِ زہراؑ پر　　اگرچہ کم نہ تھے لشکر میں ایسے رکنِ ایمانی
براہ راست تھا جن کی رگوں میں خون زہراؑ کا　　نبی کے نور سے روشن تھی جن کی لوحِ پیشانی
علی اکبر بھی تھے قاسم بھی تھے عون و محمد بھی　　لہو میں جن کے نورِ فاطمہؑ کی تھی درخشانی
مگر شہ نے علم بخشا تو سقائے سکینہ کو　　وفا کے وزن نے خوں سے بھی بھاری کر دیا پانی
نگاہِ سبطِ پیغمبرؐ نے آخر کچھ تو دیکھا تھا　　کوئی تو مصلحت تھی اس انوکھی فکر کی بانی
بہت ممکن ہے یہ سوچا ہو اس معصوم بر حق نے　　کہ اس پرچم سے وابستہ ہے ماضی کی درخشانی
یہ زہراؑ کی وراثت تو نہیں حیدرؑ کا ورثہ ہے　　یہ حق اس کا ہے جو سرتا بہ پا ہو حیدرؑ ثانی
جسے حاصل ہو قدرت برمحل صبر و شجاعت پر　　جو واقف ہو کہاں شعلہ مناسب ہے کہاں پانی
علم کو تھی جو نسبت دورِ پیغمبرؐ میں حیدرؑ سے　　سرِ مو کم نہ ہو اس معرکے میں اس کی تابانی

...ں تھے ثانوی منزل میں نسل و خوں کے رشتے
یہاں حیدرؑ مزاجی تھی عیارِ پرچم اورانی

...ستِ علیؑ سے بازوئے عباس تک پہنچا
فضا میں تا بہ خیبر کھنچ گیا اک خطِ طولانی

...ارِ حسینیؑ، ضبط کی معراجِ امکانی
علیؑ کا تربیت کردہ مزاجِ مصلحت دانی

...ینی عزم میں فکرِ حسنؑ کی جلوہ سامانی
کہیں شعلہ کہیں شبنم، ابھی بجلی ابھی پانی

...صیبت خود مصیبت میں پڑی جس کے عزائم سے
پریشاں ہو گئی خود جس سے ٹکرا کر پریشانی

...ہ سقہ جس نے یوں قائم کیا معیارِ سقائیؑ
کہ اس کی یاد آنے کا اشارہ بن گیا پانی

...ہ میزانِ قناعت جس میں تولا خود کو دنیا نے
وہ آئینہ وفا نے جس میں اپنی شکل پہچانی

...گوں میں جس کی جب تک خون کی حدت رہی باقی
نہ پہنچا خیمۂ تشنہ تک عدو کی تیغ کا پانی

...وہ جس نے بھائی کو تا عمر آقا سے سوا سمجھا
وہ جس نے ماں سے بھی بڑھ کر بہن کی منزلت جانی

...وہ غازی تیغ نے جس کی خود اپنا ہی گلا کاٹا
وہ شعلہ جس کی رگ رگ سے نچوڑا وقت نے پانی

جسے زہراؑ نے اپنا لال کہہ کر ماں سا بخشی
جسے زہراؑ کے ہر بچے نے سمجھا محسنِ ثانی

ہدیۂ کلثوم

بقدرِ شدتِ احساس ہے سوزِ غمِ پنہاں
جہاں تک وسعتِ دل ہے وہیں تک گردشِ د

شعورِ لذتِ غم چاہیئے ہر درد ہے درماں
نظر کا فرق ہے ورنہ وہی ساحل وہی طوفا

فروغِ رنگ و جلوہ کیا نظر کے مختلف پہلو
ظہورِ کن فکاں ذوقِ طلب کی جنبشِ داماں

وجودِ بزمِ عالم صرف اک بے ساختہ خواہش
نمودِ محفلِ ہستی ہیں بس اک بکھرا ہوا ارماں

بکھر جائے تو اک ذرے میں ہے کونین کی وسعت
سمٹ آئے تو روحِ فکرِ خالق ہے دلِ انسا

دلِ انساں کہ مرکز ہے ہر اک تحریکِ ممکن کا
دلِ انساں کہ مٹھی میں لئے ہے وسعتِ امکا

دلِ انساں کے دامن میں نجانے کتنے عالم ہیں
وفا کی بستیاں، الفت کے دھارے عزم کے طوفاں

پگھل جائے تو شبرؑ کا سکوں زہراؑ کی خاموشی
بگڑ اٹھے تو حیدرؑ کی گرج شبیرؑ کا طوفاں

ثبات و عزم کی منزل میں زینب کی خود آگاہی
وفا کے نقطۂ معراج پر عباس کا پیماں

یہ لب پر یا الٰہی کس وفا پیکر کا نام آیا
کہ بڑھ کر روحِ ایثار و وفا خود ہو گئی قرباں

وہ تنہا ذاتِ اقدس مرتکز تھے جس کے پیکر میں
ثبات و عزم ایثار و وفا عزم و عمل عرفاں

تہورِ مالک اشتر کا بوذر کی خود آگاہی
شعورِ معدلت مقداد کا سلمان کا ایماں

…جس کے تیوروں میں ہیبت و شانِ یداللّٰہی — وہ جس کے حوصلے میں روحِ عزمِ جعفرِ ذیشاں

…ب میں فاطمہؑ زادہ نہیں پھر بھی نبی طینت — اطاعت میں بشر ہو کر ملائک سے بلند انساں

…و اک شمشیرِ براں تھا غلافِ جسمِ خاکی میں — جو اک برقِ جہندہ تھا اسیرِ پیکرِ انسان

…لیؑ کی تربیت کردہ سپر شبیر کا بازو — ردائے زینبِ کبریٰ نقابِ بانوئے دوراں

سکینہ کا سہارا عابدِ بیمار کی ڈھارس

حرم کا پردۂ در ہدیۂ کلثوم بے ساماں

حال ایک لمحہ

وقت کے رخ پر ہے اک گہرا نقابِ سرمگیں
حال مستقبل سے ماضی حال سے واقف نہیں

عالمِ ماضی فسانہ، دورِ مستقبل قیاس
حال ان دونوں کا سنگم لمحۂ عینِ یقیں

ایک لمحہ، اک وجودِ مختصر بینِ عدم
ایک نخلستان دو صحراؤں میں سرحد نشیں

اِک ستارہ رات کی پھیلی ہوئی آغوش میں
ایک موجِ برق ابرِ تیرہ میں نور آفریں

ایک لمحہ جہد کے میدان میں عظمت شکار
ایک لمحہ حجرۂ احساس میں خلوت نشین

ایک لمحہ عرصہ گاہِ بدر میں عزمِ جواں
ایک لمحہ خانۂ معبود اور نانِ جویں

ایک لمحہ رجعتِ خورشید مافوقِ زباں
ایک لمحہ شہپرِ جبریل بالائے زمیں

ایک لمحہ سطحِ امکاں پر مکانِ لامکاں
ایک لمحہ عرش کی رفعت پہ گیتی کا مکیں

ایک لمحہ وہم و شک کے لاکھ پردوں میں نہاں
ایک لمحہ جس کے رخ پر ایک بھی پردہ نہیں

ایک لمحہ موڑ دے جو فکر کے دھارے کا رخ
ایک لمحہ ذہنِ انساں ساز و تاریخ آفریں

ایک لمحہ جس کی گیرائی ازل سے تا ابد
ایک لمحہ جس کا جوہر کربلا و شاہِ دیں

ایک لمحہ دوش پر اپنے لئے صدیوں کا بار
ایک لمحہ سینکڑوں نسلوں کے ذہنوں کا امیں

ایک لمحہ جب ملا عباسِ غازی کو علم
جس کے پرچم پر لکھا تھا موت نے فتحِ مبیں

جس کے سائے میں رواں تھا کارواں اسلام کا
جس کے پنجے میں جھلکتی تھی پیمبر کی جبیں

آج تک وہ ایک لمحہ نقش ہے احساس پر
آسمانِ عزم پر ہو جس طرح ماہِ مبیں

ثبت ہے منظر بہ منظر داستانِ کربلا
صفحۂ دل پر کہ جس کا نقش مٹتا ہی نہیں

وہ عرب کی دھوپ، شدت کی تپش، جلتی زمین
وقت کا حیدرؑ، علم بردوش، الٹے آستیں

وہ کفن پہنے مجاہد، وہ جیالے سرفروش
جن کی ایک اک رگ پہ نشتر زن ہوائے آتشیں

جن کے ہونٹوں کا تبسم موجۂ دریا پہ طنز
جیسے ساحل زیرِ پا ہے جیسے فوجیں کچھ نہیں

سرخ چہروں کی دمک تضحیکِ زعمِ شہریار
پائے استقلال ٹھوکر میں لئے تاج و نگیں

حق نما حق بیں نگاہوں میں فداکاری کا وزن
وہ نگاہیں جن کی گردش امتیازِ کفر و دیں

چہرۂ عباس پر برسیں تو شبنم کی پھوار
مجمعِ اشرار پر ٹوٹیں تو گرزِ آتشیں

اور ادھر عباس نظمِ عسکری کے ذمہ دار
مرنے والی فوج کی کردار سازی کے امیں

ساتھیوں کی مرگ پر سبقت سے دل میں پیچ و تاب
واقفِ ترتیب، آگاہِ ضمیرِ شاہ دیں

سوچتے ہیں میرے ہوتے ختم ہوگی ساری فوج
اور مجھے اذنِ وغا مل جائے یہ ممکن نہیں

دل کی ہر بے تاب دھڑکن زخمِ تازہ کی نقیب
ہر نظر حسرت کا پیکر ہر نفس مرگ آفریں

ساتھیوں پر اس کے جتنے وار دشمن نے کیے
اس نے کی محسوس چوٹ ان کی رگِ جاں کے قریں

تیر کھایا جب کسی ساتھی نے اس کا دل چھدا
جب کوئی گردن کٹی اس کی رگیں کٹنے لگیں

یہ مسلسل کربِ مرگ اور اس پہ فرمانِ حسینؑ
ضبط اے عباسؑ اے شیرِ خدا کے جانشیں

وقت کا سب سے بڑا سیاف اور بے اختیار
اس قدر مجبور مجبوری سے جو واقف نہیں

ہائے وہ تلوار جو پیتی رہی خود اپنا خوں
ہائے وہ جرار الٹ کر رہ گیا جو آستیں

زنجیرِ پائے برق

حیات صرف جنوں ہے نہ صرف ہشیاری
غنودگی سی ہے مابینِ خواب و بیداری

لطیف شانۂ تخئیل بارِ فکر سے شل
شعورِ ذات کی پلکوں پہ کیف ساطاری

قدم قدم پہ بغاوت نفس نفس پہ سجود
نہ اعتراف نہ انکارِ قدرتِ باری

سہانی رات میں جیسے ہو کوئی گرمِ سفر
نشاطِ کار کے کاندھوں پہ جبرِ بیداری

نہ جانے کون سی منزل میں دن نکل آئے
بس اک سفر ہے کہ بے قصد و عزم ہے جاری

نظر نظر ہیں سہارے کی بھیک کا عالم
قدم قدم پہ کسی کھوج کی طلب گاری

بھٹکتی خواہشِ منزل کو راہبر کی تلاش
زباں کی مہر مگر خود فریب خود داری

طویل دامِ فریب اور کس قدر خوش رنگ
حسین طوقِ گلو اور کس قدر بھاری

اگر یہ جھوٹے تفاخر کے بل نکل جائیں
تو پھر نہ دوریِ منزل نہ کوئی دشواری

وہ جس کو واقفِ منزل کی رہبری مل جائے
کٹھن ہے راہ پھر اس پر یہ رات ہے بھاری

مسافرو! مری نظروں کو رہنما کر لو
کہ میں ہوں گرمِ سفر سوئے ارضِ بیداری

وہ ارضِ نور ہے میری نگاہ کی منزل
ہے جس کے ذروں میں خورشید کی ضیا کاری

مرے قدم بہ قدم کربلا کی سمت بڑھو
جہاں نہ دشتِ بلا ہے نہ چرخِ زنگاری

جہاں زمانے کی گردش کا سانس رکتا ہے
جہاں نظر کی جھپک بھی ہے عینِ بیداری

جہاں خرد کو سلیقہ ملے، طلب کو مراد ۔۔۔ زباں کو حسنِ تکلم بیاں کو پرکاری
قلم کو طرزِ نگارش ادب کو فکرِ جمیل ۔۔۔ شعور و فکر کو صیقل جنوں کو ہشیاری
وہ وعدہ گاہِ رسل وہ منائے قلب و نظر ۔۔۔ وہ طورِ روح وہ فارانِ جلوۂ باری
جہاں کے ذروں کو جنت کا روپ دیتی ہے ۔۔۔ قدم قدم پہ شہیدوں کے خوں کی گلکاری
وہ شہر جس کی فضاؤں میں جذب ہے اب تک ۔۔۔ گلِ خلوص کی بو نکہتِ فداکاری
کسی بہن کی مسلسل دعائے نیم شبی ۔۔۔ کسی جوان کی تاریخ ساز بیماری
کسی بھتیجی کی خاموش التجا کی کراہ ۔۔۔ کسی چچا کی تمنائے مشک برداری
وہ بے نقاب تمنا کہ جس کے پردے میں ۔۔۔ سرک رہی تھی دبے پاؤں یوں جگرداری
کہ بار بار نگاہیں تھیں روئے سرور پر ۔۔۔ زباں خموش تھی آنکھوں سے اشک تھے جاری
کبھی فرات کی موجوں کا زخم آنکھوں پر ۔۔۔ کبھی سکینہ کی آہوں کی ضربتِ کاری
ادھر وہ حسرتِ اظہارِ آرزوئے جہاد ۔۔۔ ادھر امام کہ اذنِ وغا سے انکاری
ادھر سکینہ کی نظریں، ادھر امام کا حکم ۔۔۔ تھی پائے برق میں زنجیر کی گراں باری
ادھر حسینؑ کی نظریں رخِ برادر پر ۔۔۔ کہ ناگزیر بھی اور شاق بھی دل افگاری
ستیز کی تو اجازت نہ دے سکے لیکن ۔۔۔ نظر جھکا کے دیا اذن مشک برداری
قفس تو کھول دیا بال و پر کتر ڈالے ۔۔۔ رہائی بخش تو دی طوق کر دیا بھاری
ملی کچھ ایسی رہائی نما گرفتاری ۔۔۔ کہ تیغ ہاتھ میں کچھ اور ہو گئی بھاری
جری کی تیغ نے اپنا ہی خود گلا کاٹا ۔۔۔ اسیر دل کی تڑپ بن گئی خود آزادی

بڑھی نہ حلقۂ حکمِ امام سے آگے — علیؑ کے شیر کی بپھری ہوئی جگرداری

جو اپنے دور کا سب سے بڑا سپاہی تھا — جسے نصیب تھی فوجِ خدا کی سالاری

لیا حسینؑ نے وہ سخت امتحاں اس کا — کہ اب بھی لرزہ ہے تاریخِ دہر پر طاری

جہادِ سخت بہ یک وقت دو محاذوں پر — دفاعِ حرمتِ سقائی و علمداری

پھر اس پہ شرط کہ تلوار بھی نہ تھی آزاد — رضائے سبطِ پیمبرؐ تھی اس سے انکاری

مگر زمانے نے دیکھا کہ ان سلاسل سے — اسیر ہو نہ سکی شبیر کی جگرداری

نہ کر سکا کوئی شاہدؔ پھر ایسی سقائی

نہ ہو سکی کبھی اس شان کی علمداری

پرچمِ شعور

راشِ تازہ جو کل تھی وہ آج ہے ناسور
کہ اندمال نہیں زخمِ زیست کا دستور

یلائیں پیسے کہ جب زندگی کا حق مانگا
تو ہم سے آہ بھی کرنے کا چھن گیا مقدور

کسے سنائیں کہ پاداشِ حق بیانی میں
جنوں نے کھینچ لی بڑھ کر زبانِ فہم و شعور

ستانِ جبر نے آنکھیں نکال لیں ان کی
جو کہہ سکے نہ شبِ تار کو سپیدۂ نور

و بال و پر کو کسی وقت بال و پر سمجھے
کیا گیا انہیں زندانِ ظلم میں محصور

دو پہلے طوق پہنائے گئے خیالوں کو
زر و گہر سے خریدے گئے ضمیر و شعور

غلط بیانی کی تاویل کے سلیقے کو
فضائے جہل میں سمجھا گیا عیارِ شعور

بھڑکتے شعلوں کا خلعت عطا ہوا اس کو
جو ایک جھوٹے خدا سے نہ ہو سکا مسحور

سے وطن سے نکلنا پڑا یہ کربِ تمام
کہا نہ شعلۂ باطل کو جس نے جلوۂ طور

زعمِ خویش چڑھایا گیا وہ سولی پر
نفس نفس سے تھا جس کی حیاتِ نو کا ظہور

وہ ساری عمر رہا زد پہ تیغ و خنجر کی
جو لے کے آیا تھا فطرت کا آخری دستور

جو تھا حصارِ صداقت وہ گھر جلایا گیا
گرا دیئے گئے وہ گھر جو تھے منارۂ نور

لیا گیا اسے محویتِ نماز میں قتل
نہ سر جھکا سکی جس کا سیاستِ جمہور

لیا زمانے نے مسموم اس مدبر کو
مزاجِ فتنہ ہوا جس سے صلح پر مجبور

سپردِ خنجرِ براں کئے گئے وہ گلے
جو طوقِ بیعتِ باطل نہ کر سکے منظور

ہوا یہ حکم کہ ترسائے جائیں پانی کو
ہماری مے کو جو کہتے نہیں شرابِ طہور

جدا کئے گئے بازوان اہلِ ہمت کے
جو تھے ازل سے علمدارِ صدق رہبرِ نور

تمام عمر رہا ہو سکے نہ زنداں سے
قصور کو جو بہر حال کہہ رہے تھے قصور

شب آفرینوں نے دیوار میں چنا ان کو
چمک رہا تھا جبینوں پہ جن کی صبح کا نور

ہر ایک دور میں سچ کو کیا گیا مصلوب
بہ ہر دیار رہی دار قسمتِ منصور

مگر کمالِ ستم ہائے جہل کے باوصف
نہ رک سکا کسی منزل پہ کاروانِ شعور

رہا بلند ہمیشہ صداقتوں کا علم
شکستِ حق کا نہ باطل کو ہو سکا مقدور

یہ وہ علم تھا جو آدمؑ سے لے کے احمدؐ تک
ہر ایک دورِ جہاں میں رہا نشانِ شعور

یہ وہ علم ہے جو چمکا تھا بامِ فاراں پر
بچھا دی وادیٔ بطحا میں جس نے چادرِ نور

یہ وہ علم ہے اٹھایا تھا جس کو جعفرؑ نے
دیارِ شرک میں حق ہو چلا تھا جب محصور

یہ وہ علم ہے جو دستِ علیؑ میں لہرایا
جہاں بھی صبح کی جانب بڑھی شبِ دیجور

یہ وہ علم ہے کہ جو کربلا کی ریتی پر
نشانِ خیمۂ زینبؑ رہا شبِ عاشور

یہی علم تھا کہ جب جانبِ فرات چلا
تو ایک مشک بھی تھی ساتھ مثلِ دیدۂ حور

قریبِ نہر جو پہنچا یہ اہلِ حق کا علم
تو پاسبان تھے مقصودِ جنگ جو مغرور

گواہ ہے یہ علم اس وفائے کامل کا
ہوا تھا جس کا سرِ ساحلِ فرات ظہور

علم نے دیکھا کہ پیاسے نے مشک تو بھر لی
مگر لبوں کو رکھا آبِ خوشگوار سے دور

اس علم نے یہ دیکھا کہ فوجِ ظلم پھری
یہ سوچ کر کہ ہے شبیر اب دفاع سے مجبور

س علم کو سنبھالے تھے کٹ گئے وہ ہاتھ
چھدی وہ مشک گرا خاک پر وہ پارۂ نور

یہ حق کا علم تھا زمیں پہ رک نہ سکا
رہا بلند اندھیروں میں مثلِ شعلۂ طور

ی علم ہے کہ ہے آج بھی فضا میں بلند
وہی علم ہے کہ ہے اب بھی استعارۂ نور

وہ علم ہے جو ہر دور ہر زمانے میں
رہا ہے اور رہے گا نشانِ اہلِ شعور

وہ علم ہے کہ جس کو غمِ شکست نہیں
یہ وہ علم ہے جو قائم ہے تا بہ یومِ نشور

ی علم ہے کہ سائے میں جس کے بنتِ نبی
پئے شفاعتِ امت بڑھیں گی صبحِ نشور

ے اسی کے علم دار کے کٹے بازو
کہ جس سے آئے گا لرزے میں عرشِ ربِ غفور

علم اٹھاؤ خدا والو کہہ کے یا عباس
قدم بڑھاؤ کہ منزل ابھی ہے کافی دور

اسمِ اعظم

زعمِ باطل کا جواب، معتبر عباس ہیں
نہر پہ عباس پہنچے نہر پہ عباس ہیں

قلبِ زہراؑ کی دعاؤں کا اثر عباس ہیں
بہرِ شبیرؑ اسمِ اعظم کی سپر عباس ہیں

صولتِ حیدرؑ، شعورِ مجتبیٰؑ، عزمِ حسینؑ
تین معصوموں کا معیارِ نظر عباس ہیں

آلِ پیغمبر نہیں پھر بھی علمدارِ حسینؑ
کیسے نازک وقت کتنے معتبر عباس ہیں

بہرِ ایثار و وفا و جرأت و عزم و عمل
کربلا کعبہ ہے اس کعبے کا در عباس ہیں

پڑھ رہی ہیں بھائی کے تیور میں زینب حالِ جنگ
چشمِ سرور بھی وہیں پر ہے جدھر عباس ہیں

اک امامت کی کمی اک بابِ خیبر کی کمی
ورنہ ہر پہلو سے حیدرؑ سر بسر عباس ہیں

کربلا بھی دیکھ لے گی شانِ زہراؑ و علیؑ
ماں کے نقشے پر ہیں زینب باپ پر عباس ہیں

منفرد تھا اکبر و قاسم کا اندازِ وغا
آئینے خود بول اٹھے آئینہ گر عباس ہیں

نقطۂ آغازِ عصمت، نقشِ تکمیلِ بشر
عظمتِ کردار کی حدِ نظر عباس ہیں

اسوۂ عباس ہے شرحِ جہادِ کربلا
حرفِ آخر مقصدِ شبیرؑ پر عباس ہیں

ثانیِ حیدرؑ کے آگے شامیوں کی کیا بساط
ایک حملہ، اک جھپٹ اور نہر پر عباس ہیں

اماموں نے کیا ہے انکے روضے کو سلام
بے امامت کے بھی اتنے مقتدر عباس ہیں

ت کی گردش نہ پہنچی مقصدِ شبیرؑ تک
آجتک چھائے ہوئے ہر دور پر عباس ہیں

ڈتی تھی بہ چشمِ عالم حدِ امکانِ وفا
ایک دریا سے صدا آئی ادھر عباس ہیں

ر پہ دستے پہ دستے بھیجا جاتا ہے شمر
لاکھ حکمِ شہ کی بندش ہو مگر عباس ہیں

کیسے کاٹیں گے شبِ غم بعدِ عباس اہلبیت
ان کی نظروں میں تو ہر شب کی سحر عباس ہیں

بے تیغ مجاہد

خیر و شر لمحۂ اول سے ہیں گرمِ پیکار
جہل سے جنگ ہے خرد نور سے آویزشِ نار

اہرمن طنز سے رخ کرتا ہے یزداں کی طرف
نورِ حق ہوتا ہے جب ظلمتِ باطل کا شکار

لبِ ابلیس پہ نغمات بکھر جاتے ہیں
جب ابھرتی ہے کسی ٹوٹتے دل کی جھنکار

نور و ظلمت میں ازل سے ہے تصادمِ فطری
کسی لمحے میں کبھی یک جا نہ ہوئے لیل و نہار

ہر نفس تولتی ہے کشمکشِ نفس و ضمیر
عدل و ادراک کی میزان میں وزنِ کردار

حق و باطل کا تصادم ہے بہر گامِ حیات
زد پہ اقرار کی بل کھاتا ہے زعمِ انکار

خیر ہی خیر ہو دنیا میں تو جنت ہو جائے
شر ہی شر ہو تو رہے زیست جہنم آثار

خیر و شر کے اسی ٹکراؤ سے ہے تابِ حیات
اسی ہنگامے پہ ہے شورشِ ہستی کا مدار

دہر لیکن نہ جہنم ہے نہ خالص جنت
رنج و راحت کا توازن ہے زمانے کا شعار

سدِ رہ بن کے ابھرتی ہے جہاں قوتِ شر
وہیں ہوتا ہے یدِ خیبری بھی تیشہ بدار

وہی ہادی، کوئی مصلح کوئی پیغمبرِ صدق
روک دیتا ہے ابھرتی ہوئی شر کی یلغار

گرمیٔ آتشِ نمرود کو چھینٹے دے کر
سرد کر دیتی ہے گلزارِ خلیلی کی بہار

سر اٹھاتا ہے جہاں جذبۂ کبرِ فرعون
ضربِ موسیٰؑ بھی وہیں ہوتی ہے طوفاں بہ کنار

بڑھ کے ڈھا دیتے ہیں دیوارِ زباں بندی کو
کبھی سقراط کے نعرے کبھی عیسیٰؑ کی پکار

جہلِ بوجہل کی ظلمت کو بجھا دیتی ہے
شمعِ تعلیمِ محمدؐ کی ضیائے انوار

حدِ ظلمت ہے مگر شرطِ طلوعِ خورشید
روزِ ازل سے یہی ہے روشِ لیل و نہار

ظلم جب تک نہ پہنچ جائے سرِ کفرِ صریح
باڑھ پر آتی نہیں ردِ عمل کی تلوار

رات کے آخری لمحے کو لگا کرتا ہے
آفتابِ سحرِ تازہ کا ذوقِ اظہار

یہی باعث تھا کہ خاموش رہی تیغِ علیؑ
نظر انداز کیے جاتے رہے وار پہ وار

وقت کی مصلحتیں صلحِ حسنؑ تک پہنچیں
بن گئے پھول لبوں پر جو اٹھے دل سے شرار

اتنے دن تک کہ سرِ کفر پہ پہنچ جائے نفاق
بل ہی کھاتی رہی شبیرؑ کی طبعِ خوددار

خوابِ غفلت نہ تھی یہ خامشیٔ آلِ نبیؐ
فکرِ آئندہ میں مصروف تھی چشمِ بیدار

مل چکی تھی یہ انھیں مخبرِ صادقؐ سے خبر
ابھی ٹوٹے گا نہ باطل کا طلسمِ پندار

منتظر لمحۂ مخصوص کا ہے ردِ عمل
دستِ شبیرؑ کی قسمت میں ہے یہ آخری وار

سب کی کوشش تھی بڑھے قوتِ بازوئے حسینؑ — سب کی خواہش تھی بٹا لیں سرِ شبیرؑ کا بار
وہ علیؑ ہوں، کہ حسنؑ، فاطمہؑ ہوں یا زینبؑ — کر رہے تھے اسی مقصد سے فضا کو ہموار

بارور ہو گئیں راتوں کی دعائیں آخر — آئے عباسؑ ملا دیتی نفسوں کو ابھار
پھر تو تربیتِ عباسؑ تھی اور آلِ نبیؐ — کتنے کرداروں کا محور تھا یہ تنہا کردار
فکرِ شبیرؑ نے تدبر کا سلیقہ بخشا — لبِ زینبؑ سے ملا حسنِ ودقارِ گفتار
اور عباسؑ کو اک وار سکھا دیتے تھے — کربلا ہوتی تھی جب ذہنِ علیؑ میں بیدار
سب سے بڑھ کر تھا مگر ربطِ نگاہِ شبیرؑ — اپنا آئینہ بناتے تھے بہ حسنِ کردار
وہی رجحانِ طبیعت وہی اندازِ نظر — وہی جینے کا سلیقہ وہی مرنے کا وقار
وہی حق گوئی میں طوفانوں سے ٹکرانے کا عزم — وہی حق گوں کو ہر دم رل دجال سے تیار
وہی ایماں کہ کریں بوذر و سلماں بھی سلام — وہی جرأت کہ دلِ مالکِ اشتر بھی نثار
اسی کردار کی تشکیل تھی دن رات کا شغل — کربلا کے لئے کرتے تھے مجاہد تیار
منتظر تھے کہ علمدار جواں ہو جائے — ضبط کرتا رہا شبیرؑ کا عزمِ پیکار

لوگ سمجھے تھے کہ عباسؑ کے پیکر میں حسینؑ — کرتے ہیں بہرِ قتال ایک سپاہی تیار
کربلا آئی تو رازِ دلِ شبیرؑ کھلا — کہ یہ تربیت مخصوص تھی مقصد بہ کنار
چاہتے یہ تھے کہ دنیا پہ عیاں ہو جائے — ذہنِ انسان کی پابندِ حلیقی تلوار

ے مقصد ہی نہیں ورنہ اکیلے عباسؑ — روک سکتے ہیں ابھی فوجِ عدو کی یلغار

ا باعث تھا کہ شہ سے نہ ملا اذنِ وغا — لاکھ تڑپا دلِ بیتاب میں عزمِ پیکار

م آقا کی حدوں سے نہ بڑھا ایک غلام — ٹل سکا ایک سپاہی سے نہ حکمِ سالار

ی کو زندانِ محبت سے رہائی نہ ملی — بندشِ لب رہا آدابِ محبت کا حصار

ے وہ تیغ جو پیتی رہی خود اپنا لہو — ہائے وہ عزم نہ تھی جس کو مجالِ اظہار

وارثِ فکرِ بوترابؑ

کھول چکا دستِ کُن زیست کا بندِ نقاب
رخ پہ عدم نے لیا گوشۂ دامانِ خواب

فاش ہوا دہر پر کنزِ خفی کا جمال
کھلنے لگے تہ بہ تہ دفترِ ہستی کے باب

آدمِ خاکی بنا نائبِ مختارِ کُل
فخرِ عناصر ہوئی رفعت و شانِ تراب

راہِ خلافت مگر دھار تھی تلوار کی
فتنۂ ابلیس کا سہل نہ تھا سدِّ باب

فطرتِ انساں حریص، روئے گنہ دل فریب
عالمِ امکاں بسیط فکرِ بشر ناصواب

خیر ہوئی بن گئی رحمتِ یزداں سپر
تیغِ کفِ اہرمن ہو نہ سکی کامیاب

حسبِ تقاضائے وقت دہر میں آئے رسول
جتنی گراں ضربِ شر اس سے گراں تر جواب

آخری خنجر تھا اک کیسۂ ابلیس میں
حربۂ ریب و نفاق، کفر پہ دیں کا نقاب

جانبِ حق سے چلا سب سے بڑا منتظم
دستِ عمل میں لئے سب سے گراں تر کتاب

بھیجے گئے مصطفیٰؐ دے کے نظامِ صریح
بہرِ حفاظت تھے ساتھ تیغ بہ کف بوترابؑ

سج گئی اس شان سے منزلِ درسِ عملؐ
ختمِ رسلؐ شہرِ علم نفسِ نبی اس کا باب

گرز بہ کف جب بڑھا بازوئے کفر سوئے شہر
بڑھ کے سپر بن گئی تیغِ کفِ بوترابؑ

سجتی گئی زندگی، بڑھتی گئی روشنی
ہو گئی تکمیلِ دیں آ گئی پوری کتاب

اپنے عمل سے رسولؐ سارے سبق دے گئے
مصلحتاً چھوڑ کر ایک شہادت کا باب

بنا اس سے یہ تھا مقصدِ ختم الرسل
یہ نہ سمجھ لے جہاں تا یہ بنی تھی کتاب

ہو چکی حجت تمام، ختم ہوا درسِ حق
اب کوئی رہبر نہیں بعدِ رسالت مآب

دھو یا گیا اس طرح ذہنوں سے یہ شک کا داغ
بہرِ شہادت ہوئے سبطِ نبیؐ انتخاب

علم ہوا دہر کو جانبِ شبیرؑ دیکھ
منزلِ تبلیغ ہیں عینِ رسالت مآب

عالمِ اسلام کا ایک مثالی شہید
ہر نفس و ہر نظر مثلِ نبیؐ شرحِ باب

وہ حسینؑ آ گئے منزلِ تبلیغ میں
بہرِ حفاظت مگر ساتھ نہیں بوترابؑ

دھندلی تھی تصویرِ دیں تیغِ علیؑ کے بغیر
اک مہِ کامل اٹھا بڑھنے لگی آب و تاب

پیکرِ عباس ہیں جیسے علیؑ آ گئے
پھر وہی قائم ہوا رابطۂ شہر و باب

مثلِ نبیؐ پیش پیش راہِ طلب میں حسینؑ
وارثِ فرضِ علیؑ تیغ بہ کف ہم رکاب

پھر وہی تیغِ علیؑ دینِ خدا کی سپر
پھر وہی دنیائے کفر صیدِ غم و اضطراب

اے صلۂ حسرتِ فاطمہؑ و بوترابؑ
ماں کی دعاؤں کا پھل باپ کی راتوں کا خواب

اے دلِ ام البنین تجھ پہ شرافت نثار
اے نگہِ مرتضیٰ واہ ترا انتخاب

ناز کرے فوجِ شاہ اپنے علمدار پر
اے لبِ دشتِ بلا چوم لے بڑھ کے رکاب

مدحتِ عباس کر اے لبِ حق آشنا
نذرِ وفا پیش کر اے دلِ حسرت مآب

حافظِ جانِ حسینؑ پیش و پس و راس و چپ
جیسے احد میں علیؑ حرزِ رسالت مآب

سبطِ نبیؐ کا حصار، دینِ نبیؐ کا وقار
فوجِ خدا کا امیر، شیرِ خدا کا جواب

فاطمہؑ کا نورِ عین جیسے حسنؑ اور حسینؑ
جاذبِ دل جلوۂ تربیتِ بوترابؑ

زینِ عبا کی دوا بانوے شہ کی ردا چہرۂ زینبؑ کا نور چشمِ سکینہ کی آب
پیشِ شہِ کربلا عزم بہ دل سر بہ کف دامنِ کلثومؑ کا ہدیۂ عزت مآب
شہ کا برادر مگر اپنی نظر میں غلام فاطمہؑ زادہ نہیں پھر بھی علیؑ انتساب
جس کی نگاہوں میں تھی حاصلِ عمرِ طلب چہرۂ شبیرؑ پر اک نگہِ کامیاب
جس کے تصور میں یوں جذب تھا روئے حسینؑ ایک تھے شام و سحر، ایک حضور و غیاب

نقطۂ معراجِ عشق تجھ پہ ہو شاہدؔ نثار
سالکِ راہِ وفا دل ہے ترے ہم رکاب

”روحِ اذاں“

...ی شکل، حسنؑ کی نظر، علیؑ کا جلال
زمانہ لائے کوئی اکبرِ جری کی مثال

...م شبیہہِ نبیؐ بھی وہی حسینؑ کا لال
ہیں ایک جلوہ میں ایک جاحدِ ماضی و حال

...ور علیؑ اکبر میں ہے یہ ربطِ کمال
کہ ایک شرحِ مفصل ہے اور اک اجمال

...ں ہوتے تو ان سے بھی یوں ہی یہ پیش آتی
یہ کربلا ہے شبیہہِ رسولؐ کا ہے سوال

...ینؑ تم کو صدائے نبیؐ کا فخر ملا
ملی تھی بہرِ اذاں خود نبیؐ کو صوتِ بلال

...ِ جلوۂ اکبر نے کر دیا ثابت
مٹا سکی نہ محمدؐ کو گردشِ مہ و سال

...ینؑ دیکھتے تھے جب وغائے اکبر کو
پلٹ کے زینبِ مضطر کا دیکھتے احوال

...تو وقفِ اذاں ظہر تک شریکِ جدال
وہ تھا جمالِ محمدؐ یہ ہے علیؑ کا جلال

یہ حادثہ کہ شبیہہِ نبیؐ شہید ہوا
یہ واقعہ کہ نمایاں تھی سب یہ صورتِ حال

قاسم ابن حسنؑ

جو لوگ، صلحِ حسنؑ کو شکست سمجھتے تھے
وہ بہ چشمِ فکر سے دیکھیں حسنؑ کے لال کی جنگ

ہر ایک وار پہ یاد آرہی ہے ضربِ علیؑ
ملا ہے باپ سے ورثے میں یہ جہاد کا ڈھنگ

حسنؑ کے دل کا تصرف، شریک ہے رن میں
کہاں یہ طفل، کہاں ازرقِ لعین سے جنگ

یہ واقعہ ہے کہ قاسم کے خوں نے دھو ڈالا
چڑھا تھا صلحِ حسنؑ پر جو وہم و ریب کا زنگ

ہے ذہن و فکر کی معراج فطرتِ قاسم
مزاجِ شعلہ و شبنم ہیں جس میں ہم آہنگ

ملا رہا ہے مدینے سے کربلا کی حدیں
حسنؑ کے خون پہ سوزِ دلِ حسینؑ کا رنگ

دستورِ وفا

ظالم کی طاقت کا فسوں قاتل کے خنجر کی چبھن
ہم سے نہ ٹکرائیں یہ بت ہم ہیں غلامِ پنجتنؑ

ہم ہیں شعورِ زندگی ہم ہیں دلیلِ راستی
ہم ہیں ضیائے آگہی ہم ہیں چراغِ انجمن

ہم زائرِ شہرِ یقیں ہم طائرِ سدرہ نشیں
ہم حرمتِ دیں کے امیں ہم جراتِ باطل شکن

ہم پیروِ شاہِ عرب آئینۂ علم و ادب
حق آشنا یزداں طلب زخمِ نگاہِ اہرمن

ہم نقشِ پائے حیدری خاکِ درِ بنتِ نبیؐ
فوجِ حسینؑ ابنِ علیؑ شیرازۂ فکرِ حسنؑ

ہر مرحلے پر معتبر اہلِ مودت کا چلن
لب پر حدیثِ کربلا دل میں ولائے پنجتنؑ

نعتِ نبیؐ وردِ زباں شام و سحر بس اک بیاں
ہر اک نفس ردِّ گماں ایک اک نظر حق پیرہن

درسِ محمدؐ پر عمل، معقول، محکم، برمحل
ہر دردِ درماں در بغل ہر آہ نغمہ در دہن

پیہم علیؑ کا لب پہ نام احساسِ باطل تلخ کام
مرحب فگن کا ہر غلام اپنی جگہ مرحب فگن

دنیا کے بت چاروں طرف اپنی نظر سوئے نجف
ہر موڑ پر تیشہ بکف تاثیرِ نامِ بت شکن

کردارِ زہراؑ راہبر، دل مطمئن، لرزاں جگر
اللہ کتنا معتبر، اُف کس قدر رسیدِ محن

بنتِ نبیؐ، مثلِ نبیؐ، حدِ شعور و آگہی
ہر سانس میں پیغمبری جیسے پیمبر من و عن

وہم و گماں کی آندھیاں حدِ نظر تک پُرفشاں
طوفاں میں لیکن نغمہ خواں لشکرِ غلامانِ حسنؑ

مثلِ حسینؑ تشنہ لب، حق فکر، حق میں حق طلب
باطل پہ چشمِ پُرغضب، ایماں کی سینے میں لگن

انگلی ہے نبضِ وقت پر، رفتارِ عالم پر نظر
اقدام موزوں، معتبر، مجمل، مناسب ہر سخن

تا حدِ ممکن خامشی، پیغامِ امن و آشتی
ٹکرائیں لیکن جب اصول آجائے ماتھے پر شکن

جب بھی سوئے یزداں بڑھا دستِ جفائے اہرمن
ہم آگئے میداں میں باندھے ہوئے سر سے کفن

عباس کا سر پر علم، گردن رضائے حق پہ خم
شبیرؑ کے نقشِ قدم منزل نما ظلمت شکن

محورِ مصافِ کربلا عزمِ حسینی رہ نما
مسلک رضا، ایماں وفا، منزل شکستِ اہرمن

چشمِ تصور میں کھنچی تصویرِ عباسِ جری
ہر آن بڑھتی روشنی، ہر گام ابھرتا بانکپن

شبیرؑ شمعِ بزمِ جاں، عابدؑ انیسِ کارواں
عباس میرِ رہ رواں، زینبؑ خطیبِ انجمن

عباس کے پیرو ہیں ہم، ہٹتے نہیں بڑھ کر قدم
حدِ جناں ہے کم سے کم پہلا مقامِ صف شکن

عباس مثلِ مرتضیٰؑ خیبر کشا مرحب فگن
اک بت شکن کی آرزو کرب و بلا کا بت شکن

ضبطِ وغا کا معجزہ، مقصودِ ہر جنگ آزما
پیغمبرِ دینِ وفا، پروردگارِ فکر و فن

تنویرِ نورِ مصطفیٰؐ، تصویرِ عزمِ مرتضیٰؑ
زہراؑ کی جاں، مثلِ حسینؑ، احمدؐ کا دل، مثلِ حسنؑ

فرزندِ زہراؑ بالمثل، مظلومِ محسن کا بدل
فکرِ علیؑ کا ماحصل، بعدِ حسینؑ خستہ تن

مظلومِ زینبؑ کی ردا، بیمارِ عابدؑ کی دوا
قلبِ سکینہؑ کی دعا، تسکینِ روحِ پنجتنؑ

یقل شدہ تیغِ علیؑ بہرِ کفِ سبطِ نبیؐ　　کلثوم کی نذرِ گراں پیشِ شہنشاہِ زمن
ہراؑ کی تاثیرِ دعا بہرِ شہیدِ کربلا　　تربیتِ ام البنین شکلِ بشر میں صف شکن
کر آزما اک معجزہ تربیتِ شبیرؑ کا　　برقِ تپاں، موجِ صبا شبنم نفس شعلہ بدن
حربِ دفاعی حفظِ جاں ضبطِ شجاعت امتحاں　　اک زاویہ جنگِ علیؑ اک زاویہ صلحِ حسنؑ
آقا سے بڑھ کر مرتبہ جس کی نظر میں بھائی کا　　ماں سے زیادہ محترم جس کی نگاہوں میں بہن

وہ جس کا سینہ چیر کر تیغ اٹھ سکی شبیرؑ پر
وہ جس کا بازو توڑ کر چھوپائی زینبؑ کو رسن

ننھا مجاہد

اک شہ سوار خیمے کے در سے عیاں ہوا
اک چاند سوئے ظلمتِ باطل رواں ہوا

نکلا ہے سدِّ بابِ علوم و جہول کو
مرکب بنا کے راکبِ دوشِ رسول کو

تیور میں رعبِ فاتحِ خیبر لئے ہوئے
مٹھی میں خیر و شر کا مقدر لئے ہوئے

بل کھا کے فوجِ شام سے آنکھیں لڑاتا ہے
میداں کی سمت دیکھ کے باہیں اٹھاتا ہے

ہے چشمِ غضب میں وزنِ عدد تولتا ہوا
بے حرف و صوت دل کی زباں بولتا ہوا

ہے بند مٹھیوں کا اشارہ کہ اے جہول
مرنا قبول، بیعتِ باطل نہیں قبول

سینے کی دھڑکنوں میں تلاطم لئے ہوئے
ہونٹوں کے خم میں تیغِ تبسم لئے ہوئے

ہے منفرد یہ فوجِ حسینی کا شہ سوار
سر پر نہیں یہ کرتا ہے دشمن کے دل پہ وار

یہ قطرہ وہ ہے جس میں سمندر سمٹتا ہے
غازی صفیں الٹتے ہیں یہ دل الٹتا ہے

سمجھا نہیں ابھی اسے فوجِ شریر نے
حیدرؑ چلا ہے جھولے سے اژدر کو چیرنے

یہ توڑ دے گا گردنِ نازک سے تیر کو
ہنس کر جھنجھوڑ دے گا عدو کے ضمیر کو

یہ عصمتِ حسینؑ کی ہے آخری سند
تا حشر ہو سکے گی نہ فکرِ جہاں سے رد

تنہا جوابِ کثرتِ لشکر لئے ہوئے
قرآں چلا ہے سورۂ کوثر لئے ہوئے

اصغرؑ یہی ہے آخری قربت حسینؑ کی
اس کے گلے پہ ثبت ہے عصمت حسینؑ کی

سیدِ سجادؑ

یقل گرِ قربانیِ شبیرؑ ہیں عابدؑ — تاریخ کے اک دور کی تصویر ہیں عابدؑ
رآں کا بھرم دین کی توقیر ہیں عابدؑ — اے سورۂ کوثر تری تفسیر ہیں عابدؑ
یہ نقش گرِ نسلِ حسینؑ ابن علیؑ ہیں
یہ آدمِ اولادِ رسولِ عربی ہیں

قدیرِ علیؑ جلوۂ شبیرؑ ہیں عابدؑ — دادا کی جھلک باپ کی تصویر ہیں عابدؑ
رآن کے ماحول کی تنویر ہیں عابدؑ — پروردۂ گہوارۂ تطہیر ہیں عابدؑ
ہر رنگ میں منجملۂ آیاتِ جلی ہیں
چپ بیٹھیں تو قرآں ہیں بولیں تو علیؑ ہیں

یزان بھی ہیں علم کی معیارِ ادب بھی — قرآں بہ کردار بھی قرآں بہ لب بھی
معراجِ شرف ان کا حسب بھی ہے نسب بھی — یہ ماہ عجم بھی ہیں یہی مہرِ عرب بھی
تیور سے عیاں سطوتِ کسریٰ کی تجلی
پیشانی میں تاباں شہِ بطحا کی تجلی

یت میں پیمبر کے خصائل کی وراثت — رگ رگ میں رواں حیدرؑ صفدر کی شجاعت
یت کو پرکھ لینے میں شبرؑ کی فراست — تسلیم و رضا میں دلِ شبیرؑ کی صولت

اک فرد میں ہر فرد کے کردار کی خوشبو
اک پھول میں سمٹی ہوئی گلزار کی خوشبو

یہ جانِ پیمبر ہیں یہ خالق کے ولی ہیں — تنویرِ حرم جلوۂ نورِ ازلی ہیں
یہ حیدرِ کرار کی تصویرِ جلی ہیں — ہم شان بھی ہم نام بھی ہر رُخ سے علیؑ ہیں
کعبے کی طرف آئیں جو حیدرؑ کے حشم سے
آوازِ درود آئے در و بامِ حرم سے

وہ علم کہ چاہیں تو سلونی کی صدا دیں — وہ صبر کہ بابا کا حسنؑ یاد دلا دیں
وہ عزم کہ بے تیغ بھی دربار ہلا دیں — وہ قدرتِ تقریر کہ زینبؑ بھی دعا دیں
فطرت کو بدل دینے کی قوت وہ نظر میں
آوازِ اذاں گونج اٹھے کفر کے گھر میں

وہ رات کے سناٹے میں آوازِ دعا کی — وہ ظلم کے ماحول میں تصویرِ رضا کی
وہ سجدۂ معبود میں تطہیرِ فضا کی — وہ بندشِ لب میں بھی مددِ دینِ خدا کی
وہ کفر کے ہنگاموں میں ایمان کی آواز
ظلمت میں ابھرتی ہوئی قرآن کی آواز

مجموعۂ اوصاف تھا سجادؑ کا کردار — جرأت کا دھنی، دل کا غنی، صبر کی دیوار
سجدے کا شرف کعبہ کا دل علم کا مینار — جس زاویے سے دیکھئے معیار ہی معیار

ضو دیتی ہوئی نیّرِ ایماں کی تجلی
اک پیکرِ محسوس میں قرآں کی تجلی

سرور کا تراشا ہوا کردار تھے عابدؑ
دل پر جو کرے وار وہ تلوار تھے عابدؑ
ہر چند کہ بے ہوش تھے بیمار تھے عابدؑ
جب سو گئے شبیرؑ تو بیدار تھے عابدؑ

اب ان کے سراپا میں تھی عظمت شہِ دیں کی
قرآں بھی تھے تفسیر بھی قرآنِ مبین کی

اک فرضِ اہم کے لئے پالے گئے عابدؑ
بچپن سے رہِ صبر پہ ڈالے گئے عابدؑ
معصوم نگاہوں سے سنبھالے گئے عابدؑ
اک فطرتِ محتاط میں ڈھالے گئے عابدؑ

تطہیر کے ہاتھوں سے سنوارا گیا ان کو
آیات کی صیقل سے نکھارا گیا ان کو

جھولے میں علیؑ نے انہیں قرآن سنایا
آغوش میں شبرؑ نے بصیرت سے سجایا
شبیرؑ نے کردار کو معیار بنایا
تقریر کا فن دخترِ حیدرؑ نے سکھایا

تا عمر رہے آلِ پیمبر کی نظر میں
قرآں ہی قرآن کا ماحول تھا گھر میں

قرآں کے ماحول نے فطرت پہ جِلا کی
تھی پیکرِ سجادؑ میں تصویر رضا کی
مسدود تو پہلے سے تھی ہر راہ خطا کی
آئینے کی صیقل سے بڑھی شان صفا کی

جس رخ سے بھی پرکھا گیا معیار تھے عابدؑ
اب شام کی تسخیر کے حقدار تھے عابدؑ

مفسرِ کربلا

دورِ حاضر میں ہر انساں ہے خود اپنا رہنما
ان اندھیرے راستوں میں کون کس کا رہنما

دل کے مبہم سے اشاروں پر بڑھے جاتے ہیں لوگ
ہے بھٹکتی آرزوؤں کا تقاضا رہنما

بے یقینی کی فضا میں جس نے میٹھی بات کی
قلبِ سادہ لوح سمجھا اس کو اپنا رہنما

تاک میں بیٹھے ہیں ایک اک موڑ پر موقع پرست
اپنی اپنی دھن میں ہے ہر وقت پیما رہنما

کل نکل آئے خدا جانے کدھر سے آفتاب
احتیاطاً ہر طرف رکھتے ہیں رستا رہنما

کہہ رہے ہیں سب بہ یک وقت اپنی اپنی داستاں
بن گئے ہیں بدحواسی کا تماشا رہنما

کوئی کہتا ہے مرا نعرہ ہے اسلامی نظام
صرف میں ہوں ملتِ اسلامیہ کا رہنما

کون جانے اس کی ایماں دوستی کا یہ سراب
بہرِ حق ہے یا وزارت کا ہے سودا رہنما

کچھ یہ کہتے ہیں پسے جاتے ہیں محنت کش عوام
ان کا حق دلوائیں گے گر ہم کو مانا رہنما

کاش یہ تقریر ہی ہوتی یہ عزمِ خود مگر
ان کی ڈوری کھینچتا ہے دور بیٹھا رہنما

کچھ یہ فرماتے ہیں سرمایہ ہے روحِ اقتدار
جتنی اونچی جس کی ڈیوڑھی اتنا اونچا رہنما

چڑھتے سورج کے پجاری چلتے سکوں کے غلام
سیم و زر ان کے خدا پیسہ ہے انکا رہنما

اک طرف ہیں کرسیِ زریں پہ اہلِ اقتدار
سوچتے ہیں آج تو ہم ہی ہیں تنہا رہنما

کاش گھبرا کر عوام اس انتشارِ ذہن میں
منتخب کرلیں ہمیں کو بہرِ فردا رہنما

الغرض اک بے یقینی کی فضا ہے ہر طرف
جو بھی ہے تقریر پر قادر وہ پکا رہنما

اور یہیں کیا سارے عالم کا یہی انداز ہے
فکرِ آوارہ ہے اس دنیا کی تنہا رہنما

عقل حیراں ہے کہ کیونکر کر سکے یہ فیصلہ
کون سچا راہبر ہے کون جھوٹا رہنما

شاید ایسی ہی تذبذب کی فضا تھی شام میں
کربلا سے جب وہاں پہنچا ہمارا رہنما

ذہن و دل پر تھا غلط فہمی کے جالوں کا غبار
جبر تھا کچلی ہوئی انسانیت کا رہنما

پس چکے تھے وقت کی چکی میں اقدار و اصول
وہمِ باطل حکمراں تھا زعمِ بیجا رہنما

ٹھونکے جاتے تھے دلوں میں مسخ کردہ واقعات
مکرِ سفیانی تھا دینِ مصطفیٰ کا رہنما

ہر طرف اک شور برپا تھا کہ باغی تھے حسین
ان کی خواہش تھی کہ بن جائیں وہ تنہا رہنما

کربلا صرف ایک سازش تھی حکومت کیخلاف
ہے یزید اک صاحبِ امر ایک سچا رہنما

یہ فضائیں تھیں کہ پہنچا کربلا کا قافلہ
ایک بیمارِ رسن بستہ تھا جس کا رہنما

پاؤں میں بیڑی گلے میں طوق بازو میں رسن
ٹھوکریں کھاتا سنبھلتا مسکراتا رہنما

تندرستی بخش دی ذہنوں کو اس بیمار نے
بن گیا حاکم دلوں کا یہ انوکھا رہنما

پاؤں کی زنجیر لوگوں کے دلوں میں پڑ گئی
شمعِ منزل بن گیا یہ صبر بیمار رہنما

اس کے اشکوں کی ضیا سے جل اٹھے بجھتے چراغ
اس کا ہر نقشِ قدم تھا گم رہوں کا رہنما

اس سے لوگوں نے سنا افسانۂ جہدِ حسینؑ
اس نے سمجھایا کہ کیا تھا کربلا کا رہنما

پرزے پرزے ہو گیا مکرِ یزیدی کا نقاب
اب ہوا واضح کہ یہ ظالم تھا جھوٹا رہنما

جس کو باغی کہہ کر اس نے بیس ڈالا جبر سے
تھا وہی مظلوم دینِ حق کا سچا رہنما

واقعہ یہ ہے کہ عابد کا جہادِ مستقل
بن گیا ہر رخ سے بہرِ چشمِ بینا رہنما

آج بھی ہے امتیازِ حق و باطل کے لئے
اسوۂ سجادؑ کا اندازِ یکتا رہنما

در حقیقت زحمتِ عابدؑ کو کرتے ہیں سلام
لوگ جب شبیرؑ کو کہتے ہیں اپنا رہنما

مفسّرِ کربلا

سجادؑ کے پیکر میں وہ نورِ امامت ہے
چپ بیٹھیں تو قرآں ہے بولے تو شریعت ہے

سجدہ ہی میں کچھ زیبا یہ جشنِ ولادت ہے
بچے کا تشخص ہی سجدہ ہے عبادت ہے

یہ ماہِ عجم بھی ہیں یہ مہرِ عرب بھی ہیں
یاں عدل کی منزل میں تنویرِ رسالت ہے

جاری ہے جو ہر لب پر یہ ذکرِ حسینؑ اب تک
زینبؑ کا تصدق ہے عابدؑ کی بدولت ہے

یہ نوح کی کشتی ہے طوفانِ حوادث میں
یہ آدم اولادِ سرتاجِ رسالت ہے

ہے مطمئن ایماں بھی محفوظ ہے قرآں بھی
شبیرؑ گئے لیکن سجادؑ سلامت ہے

سجادؑ کی ہمت پر شبیرؑ بھی نازاں ہیں
واں جان کی بازی تھی یہ مقتلِ غیرت ہے

... مرگِ مسلسل ہے سجادؑ کی منزل بھی
ہر گام قیامت ہے ہر سانس شہادت ہے

سجادؑ کا سر خم ہے خالق کے تصور میں
یہ طوقِ گلو کب ہے محرابِ عبادت ہے

ایماں کی اذانیں ہیں زنجیر کی جھنکاریں
یہ وقت کے پیروں میں زنجیرِ شریعت ہے

وہ قصرِ یزیدی میں آوازِ علیؑ گونجی
اس خیبرِ باطل پر حیدرؑ کی ضرورت ہے

یہ شام کی ظلمت میں چمکیں گے سحر بن کر
سجادؑ کی بیماری ایماں کی ضرورت ہے

مجبورِ اذاں ہوگا خود قصرِ یزیدی بھی
کلمہ ہی نہیں عابدؑ کلمے کی ضمانت ہے

سجاد کے پیروں میں زنجیر نہیں شاہدؔ
حریتِ افکارِ یزداں کی علامت ہے

تخت شکن

قیدی نے یوں جہاد کیا بادشاہ سے
تیغیں شکست کھا گئیں پیکانِ آہ سے

گذرا یہ کون کوفے کی تاریک راہ سے
ذرے نظر ملانے لگے مہر و ماہ سے

جب بھی زباں پہ آگئی سجادؑ کی دعا
صبحیں برس پڑیں مری شامِ سیاہ سے

اے چشمِ وقت حریتِ مظلومیت بھی دیکھ
زنداں کے قفل ٹوٹ گئے ضربِ آہ سے

جس گھر سے آ رہی ہے دعاؤں کی یہ صدا
ملتا ہے رزقِ علم اسی بارگاہ سے

رہتی اسیرِ کرب و بلا کاوشِ حسینؑ
جاتا نہ اک اسیر جو کوفے کی راہ سے

زنداں میں بھیجتا تو ہے بیمار کو یزید
نیندیں اچٹ نہ جائیں گی اس کی کراہ سے

پچھلے پہر یہ گریۂ سجادؑ کی صدا
فریادِ کربلا ہے رسالت پناہ سے

گذرے ہیں جس سے سیدِ سجاد تا بہ شام
وہ راہ سخت تر تھی شہادت کی راہ سے

وہ گفتگو یزید کی سجادؑ سے نہ تھی
بوجہل لڑ رہا تھا رسالت پناہ سے

عابدؑ کی اشک بار دعاؤں سے پوچھ لو
کیا ربط کربلا کا ہے ذکرِ الٰہ سے

زنجیر کی صدا سنو اے ساکنانِ شام
رودادِ ظلم پوچھ لو عینی گواہ سے

ممکن ہو شاہد اور نہ کروں مدحِ اہلبیتؑ
مالک مجھے بچائے رکھے اس گناہ سے

پانچواں چاند

معصوم کی مدحت میں زباں کھول رہا ہوں — میزانِ مودت پہ سخن تول رہا ہوں
ایماں کے خزینوں سے گہر رول رہا ہوں — جبریل کا انداز لئے بول رہا ہوں

لب پر ہے مرے احمدؐ مختار کی تعریف
خود مدحتِ صناعؐ ہے شہکار کی تعریف

ڑتا ہے شتا بندۂ بے دامِ محمدؐ — اے صلِ علیٰ، صلِ علیٰ نامِ محمدؐ
یہ عزت و توقیر یہ انعامِ محمدؐ — ساقیِ ازل دیتا ہے خود جامِ محمدؐ

وہ جامِ ولا جس میں ستاروں کی چمک ہے
ہر قطرے میں حل جس کے درودوں کی مہک ہے

اترے جو یہ مے حلق سے منزل نظر آئے — تا حدِ نظر نور کی محفل نظر آئے
شیشے میں کل ایمان کا حاصل نظر آئے — ہر لفظ کے سینے میں مرا دل نظر آئے

اس در کا بھکاری ہوں کدھر جاؤں گا ساقی
یہ نشہ اگر ٹوٹا تو مر جاؤں گا ساقی

اے صلِ علیٰ دل کشیِ جامِ محمدؐ — ہر قطرۂ مے دیتا ہے پیغامِ محمدؐ
آتا ہے مگر ذہن میں جب نامِ محمدؐ — یاد آتا ہے اک اور دل آرامِ محمدؐ

جو دخترِ شبیرؑ کی دعاؤں کا اثر ہے

پوتا ہے جو شبیرؑ کا عابدؑ کا پسر ہے

معصوم ہے یہ نور کے سانچے میں ڈھلا ہے — شبیرؑ کی آغوشِ مطہر میں پلا ہے

طفلی سے لحد تک روشِ جد پہ چلا ہے — نظروں میں لئے معرکۂ کرب و بلا ہے

شبرؑ کا نواسا ہے بصیرت کا بھرم ہے

ہاتھوں میں لئے علمِ محمدؐ کا علم ہے

اک نور جو پیشانیٔ آدم سے چلا تھا — آکر وہ درِ ختمِ رسالت پہ رکا تھا

بیٹی کو وراثت میں محمدؐ سے ملا تھا — حسنین کے پیکر میں یہی نورِ خدا تھا

عابدؑ کی جبیں پہ یہی جلوہ نظر آیا

پھر پیکرِ باقرؑ میں یہی نور اتر آیا

کس شان سے یہ نور ابھرتا ہوا آیا — فاران کی چوٹی سے گذرتا ہوا آیا

فیضانِ رسالت سے نکھرتا ہوا آیا — قرآن کی صورت سے سنورتا ہوا آیا

یثرب میں کبھی اور کبھی بدر میں چمکا

یہ نور وہی ہے جو شبِ قدر میں چمکا

چل چل کے سرِ کرب و بلا آگیا یہ نور — اس منزلِ دل سوز پہ ٹھہرا گیا یہ نور

ظاہر میں فنا ہو گیا کمھلا گیا یہ نور — کچھ اور مگر خوں سے جلا پا گیا یہ نور

پھر شام کے زنداں میں چمکتا نظر آیا
سجادؑ کے اشکوں میں جھلکتا نظر آیا

...بگر خانۂ زنداں میں نہ ٹھہرا — بجلی پہ بھلا کون لگا سکتا تھا پہرا
...ع ازل سیدِ سجادؑ کا چہرا — کچھ اور یہ چمکا جو اندھیرا ہوا گہرا

جاتے ہوئے سونپا اسے عابدؑ نے پسر کو
ضو بخش گئی آتی ہوئی جاتی سحر کو

...پچویں منزل میں یہ جلوہ نظر آیا — اس نور نے پیشانیٔ باقرؑ کو سجایا
...یں ہوا رنگِ فضا ہٹ گیا سایا — پوتے نے درِ علم کے دربار لگایا

اب دین کی تفسیر ہے باقرؑ کی زباں ہے
اک علم کا دریا ہے کہ ہر سمت رواں ہے

...م پیمبر کا وہی نام ہے ان کا — نانا کا جو پیغام وہ پیغام ہے ان کا
...کی طرح فیض و کرم عام ہے ان کا — یہ روح ہیں اسلام کی اسلام ہے ان کا

بچپن ہی سے آغوشِ امامت میں پلے ہیں
شبیرؑ کے پروردہ ہیں قرآں میں ڈھلے ہیں

...بید ہیں قدرت کے وہ سب ان پہ عیاں ہیں — ایمان کا لہجہ ہیں یہ قرآں کی زباں ہیں
...س سے یہ دور ہیں بالائے گماں ہیں — یہ مرکزِ انوارِ حقیقت ہیں جہاں ہیں

ہر لمحۂ ہستی پہ حقیقت کی جلا ہے

ہر علم انہیں باپ سے ورثہ میں ملا ہے

حیوان و نباتات و جمادات پہ قابو   روح و جسد و گردشِ حالات پہ قا

ہر نفس پہ ہر روح پہ ہر ذات پہ قابو   مٹھی میں مہ و مہر ہیں دن رات پہ قا

جھپکیں جو پلک دامنِ افلاک سمٹ جائے

چاہیں تو زمیں ایک اشارے میں الٹ جائے

صناعئِ معبود کا شہکار ہیں باقرؑ   میزانِ عمل، فکر کا معیار ہیں باق

یثرب کا شرف، کعبہ کی دیوار ہیں باقرؑ   قرآں کی زباں علم کا مینار ہیں باق

سرچشمۂ افلاک ہیں اعجازِ نفس ہیں

یہ قافلۂ علم کی آوازِ جرس ہیں

وہ علم کا دریا کہ نہیں جس کا کنارا   دنیا میں کب آتے ہیں بشر ایسے دوبا

ہر فقرہ یمِ نور ہے ہر لفظ ستارا   انسان کے پیکر میں ہیں قرآن کا پا

کردار میں شبیرؑ بھی، شبرؑ بھی، علیؑ بھی

ہم نام بھی، ہم فکر بھی، ہم شان نبیؐ بھی

تحریکِ زید

فضائے بربریت وہ نظر شکن نظارے — کہیں ڈوبتی امیدیں، کہیں ٹوٹتے سہارے
کانپتی امنگیں، کہیں سوچتے ارادے — کہیں چیختی ہوائیں، کہیں اونگھتے ستارے
زباں زباں پہ تالے وہ نظر نظر پہ بندش — وہ قدم قدم سلاسل وہ نفس نفس سہارے
آنکھ میں بصارت نہ شعور میں تجلی — نہ زمین پہ شمع روشن نہ فلک پہ چاند تارے
شکستہ پا مسافر وہ قدم قدم پہ لغزش — کہیں ٹوٹتی چٹانیں کہیں ڈوبتے کنارے
حق نہ کوئی باطل فقط اک نظر کی جنبش — وہی حق رضائے حاکم جسے کہہ کے حق پکارے
سکوتِ مرگ طاری لب و چشم و ذہن و دل پر — وہ بہ ضربِ وقت لرزاں یم زندگی کے دھارے
ماں کی وادیوں میں تگ و تازِ تیغِ حاکم — کہ اٹھے اگر کوئی سر تو اجل کے گھاٹ اتارے
ئی جس زباں کو جنبش وہی حرفِ یاس لب پر — اٹھیں جس طرف نگاہیں وہی ڈوبتے کنارے
کوئی صدا اٹھی بھی تو نحیف و سرد و مبہم — کوئی جیسے دور جا کر کسی شخص کو پکارے
فضائے خوف و دہشت ہو جہاں قدم قدم پر — کوئی کیا نظر اٹھائے کوئی کیسے سر ابھارے
داد رس سے پھوٹیں اگر ابتلا کے سوتے — تو بقصدِ داد خواہی کسے غم زدہ پکارے
ض اک سکوت طاری تگ و تازِ زندگی پر — کہیں جیسے قبلِ طوفاں ہوں رکے رکے سے دھارے
اک خلش سی پیہم دلِ ہر حق آشنا میں — تہِ گردِ وقت سوزاں دبی آگ کے شرارے

وہ سکوت کے سمندر میں دلوں کی بے تابی
سرِ آبِ یخ کی چادر تہِ آب گرم دھارے

وہ فضا کی خامشی میں دلِ مضطرب کی دھڑکن
وہ سکوتِ قبلِ طوفاں سے ڈرے ڈرے کنارے

لبِ خشک پر قصیدے دلِ خوں شدہ میں ماتم
یہ سنگِ شام و کوفہ یہ کربلا کے دھارے

کسی لب کا منتظر تھا بڑی دیر سے زمانہ
جو اجل کو بڑھ کے ٹوکے جو حیات کو پکارے

جو بجھے دیئے جلا دے شبِ ظلمت آفریں میں
جو نظر کو روشنی دے جو دلوں کی لو ابھارے

وہ شعور کا منادی وہ حیات کا مبلغ
جسے زیست خود صدا دے جسے وقت خود پکارے

یہی وقت کی صدا تھی جو بہ شکلِ زید ابھری
یہی زیست کا سہارا تھا بشر کا روپ دھارے

دلِ زندہ نے پکارا تو حیات چونک اٹھی
اڑی راکھ جب ہوا سے تو بھڑک اٹھے شرارے

رگِ انتقام بھڑکی رخِ احتساب نکھرا
بڑھے دادِ ظلم لینے غمِ کربلا کے مارے

شبِ تیرہ میں یکایک ہوا روشن اک ستارا
سوئے امرِ خوف و دہشت بڑھے زندگی کے دھارے

لبِ خشک زید پر تھا ابھی یا حسینؑ لرزاں
کہ ابل پڑے دلوں سے جو دبے تھے خوں کے دھارے

یہ حقوق کی طلب تھی یہ صدا تھی حریت کی
جو بلند ہو رہی تھی لبِ زید کے سہارے

یہ کراہ تھی دلوں کی یہ تپک تھی آبلوں کی
یہ تھے ختمِ شب کے لمحے یہ تھے صبح کے اشارے

وہ نتیجہ کچھ بھی نکلا مگر اک صدا تو ابھری
کہ بجھے نہ بجھ سکیں گے دلِ زندہ کے شرارے

ابھی جنگِ کربلا ہے اسی شد و مد سے جاری
وہ حسینیت ہی کیا ہے جو یزیدیت سے ہارے

کہیں اور ختم ہوگا یہ جہادِ حق و باطل
یہ ستارا کر رہا ہے کسی صبح کو اشارے

تسلسلِ ہجرت

حدیثِ ہجرت ہے ارتقائے انسانی
راستے بھی ان دیکھے منزلیں بھی انجانی

بت کے منازل میں ہر قدم نئی راہیں
تا حریمِ دانائی از حجابِ نادانی

حیات کی ہجرت نیستی سے ہستی تک
چہرۂ حقیقت کی پردہ پوشِ عریانی

وروح کی ہجرت تیرگی سے طلعت تک
از وجوبِ لامعلوم تا وجودِ امکانی

ین وفکر کی ہجرت وہم سے تیقن تک
تجرباتِ پیہم کی اک قطارِ طولانی

ل وفہم کی کی ہجرت ارتقا کے زینوں پر
جہلِ ذات کی حد سے تا بہ اوجِ عرفانی

تم شوق کی ہجرت منزلیں بصیرت کی
جلوہ گاہِ ظاہر سے تا بہ عرشِ ربانی

دِ خاص کی ہجرت نورِ حق کے سائے میں
خلق سے خلاقت تک منزلوں کی تابانی

سلین کی ہجرتِ حق سے خلق کی جانب
نائبین کی بعثت سوئے نسلِ انسانی

لد سے خرابے تک وہ ہبوطِ آدم کا
حرفِ اولِ ہجرت نقشِ دہر کا بانی

ارضِ جہل سے ہجرت نوحؑ کے سفینے کی
بحرِ کفر و بدعت میں حق کی جہدِ طولانی

وادیٔ ضلالت سے ہجرتِ خلیل اللہؑ
عہد ساز نظروں میں عکسِ بیتِ ربانی

اک تسلسلِ طلعت دورِ ہجرتِ یوسفؑ
مصر کی گھٹاؤں تک تابِ ماہِ کنعانی

ارضِ شرک سے ہجرت پائے عزمِ موسیٰؑ کی
برقِ طور کا رہبر رودِ نیل کا پانی

جہدِ ہجرتِ عیسیٰؑ وادیٔ مقدس میں
جلوۂ صداقت کی مستقل پرافشانی

پھر عظیم اک ہجرت بینِ یثرب و بطحا
مسلکِ محمدؐ میں ماسوا کی قربانی

اور پھر مدینے سے کربلا کے میداں تک
ہجرتِ محمدؐ کا اختتامِ لاثانی

دینِ حق نے مانگا تھا خونِ دل محمدؐ کا
وقت کے محمدؐ نے پیش کی یہ قربانی

سلسلہ رہا جاری ہجرتِ محمدؐ کا
جس طرف بڑھے شعلے اس طرف چلا پانی

اک تیر باقی تھا اہرمن کے ترکش میں
پردۂ تعاون میں قطعِ نورِ ایمانی

نائبِ محمدؐ کے سینۂ مطہر پر
آ لگا یہ ناوک بھی بن کے حکمِ سلطانی

چل پڑا مدینے سے پیکرِ رضا بن کر
جانشیں محمدؐ کا بہرِ حفظِ ایمانی

یہ بھی ایک پہلو تھا ہجرتِ محمدؐ کا
حق نے پھر طلب کی تھی ماسوا کی قربانی

وحدتِ مقاصد تھی دو جدا محاذوں پر
ایک شمعِ روشن کی دو رخوں سے تابانی

وہ سفر تھا یثرب تک شہر سے امیروں کے
یہ سفر تھا یثرب سے تا دیارِ سلطانی

یہ وہی مدینہ تھا جس کے ذرے ذرے نے
بار بار چومی تھی مصطفیٰؐ کی پیشانی

یہ وہی مدینہ تھا جس کے دل کی دھڑکن پر
مصطفیٰؐ سے کاظمؑ تک کر چکے تھے سلطانی

ج اسی مدینے سے تھی امام کی رخصت — دیکھتے تھے مڑ مڑ کر شہر کی پریشانی
ھ تھا تمامت پر بستیوں کا سناٹا — چبھ رہی تھی سینے میں مقبروں کی ویرانی
ـ رہی تھی حسرت سے چہرۂ مسافر کو — روضۂ محمدؐ کی پر وقار دربانی
رِنس تصادم تھا فرض اوجذبے کا — مقصدِ امامت تھا فکر سازِ انسانی
وکتی تھی نظروں کو دلکشی مدینے کی — کھینچتا تھا قدموں کو اقتضائے ایمانی
ھوڑتا تھا اک انساں اپنے دیس کی گلیاں — اک امام جاتا تھا سوئے امرِ ربانی

الغرض مدینے سے رخصتِ رضاؑ شاہدؔ
فکر خیز ہجرت تھی دَور ساز قربانی

کربلائے مسلسل

صبحِ ازل سے آج تک شام و سحر کے درمیاں
خونِ جگر میں تر رہی اہلِ وفا کی داستاں

تیغ کی دھار پر چلا اہلِ طلب کا قافلہ
ہر قدم ایک زخمِ نو ہر نفس ایک امتحاں

قلبِ فضا میں موجزن صلبِ یقیں کی زرشیں
حدِّ نگاہ تک محیط وہم و شکوک کا دھواں

گاہ جوابِ امرِ حق شعلۂ تند و ریگِ گرم
گاہ سزائے ضبطِ نفس پاؤں کی دہری بیڑیاں

درسِ شعور کا صلہ اوجِ صلیب و تختِ دار
نظمِ حیات کی جزا ترکِ وطن کی سختیاں

آخرِ کار اسی طرح شعلوں سے کھیلتا ہوا
کرب و بلا تک آگیا اہلِ طلب کا کارواں

یہ وہ محاذ تھا جہاں دستِ نفاق و شرک نے
سینۂ حق میں بھونک دیں اپنی تمام برچھیاں

منظرِ عام پر ہوا ترک و طلب کا فیصلہ
تیغِ یقیں نے کاٹ دی وہم و شکوک کی زباں

اب نہ رہا کوئی جواز عذرِ فریبِ دید کا
کھنچ گئی خون کی لکیر باطل و حق کے درمیاں

اس سے بھی مطمئن مگر ہو نہ سکی بشر کی فکر
جادۂ کج پہ لے چلیں فکر کی بے لگامیاں

چادرِ وہم اوڑھ لی جہلِ خرد لباس نے
ناخنِ کج تراش نے ڈال دیں تازہ گتھیاں

ذہن یہ سوچنے لگے حق پہ سہی علیؑ کا لال
ایسا کبھی کیا کہ جو توڑ دے ربطِ جسم و جاں

لاکھ زبوں عمل سہی تھا تو یزید کلمہ گو
سبطِ نبی نکالتے کوئی طریقِ درمیاں

ٹوٹ ہی جاتی کیا عجب فتنۂ وقت کی کمر
درس تو دیتے شاہِ دیں آکے قریبِ حکمراں

تعاونِ حسینؑ باعثِ کربلا ہوا — اتنا خراب بھی نہ تھا ورنہ مزاجِ گم رہاں

یہ نیا محاذ اسوۂ حق پہ وار تھا — اب نہ خموش رہ سکا حرمتِ دیں کا پاسباں

حکمراں بڑھا دستِ تعاونِ رضاؑ — جان و دلِ حسینؑ نے اور دیا اک امتحاں

ت فکر دے گیا ان کو بھی اسوۂ رضاؑ — ترکِ تعاونِ حسینؑ فہم پہ جن کی تھا گراں

تو کم سے کم ہوا قربِ امام کا اثر — حدِ نظر میں آ گئی ظلمتِ قلبِ حکمراں

طرف امامِ وقت داعیِ حق بہ ہر نفس — ایک طرف امیرِ وقت فیقِ طلب سے سرگراں

امام پر مُصرِ وقت وفضا کی مصلحت — بعدِ امام پر مُصر شوق کی بدلگامیاں

میر منتشر کشمکشِ تضاد سے — بُعدِ امام بھی مُصر، قربِ امام بھی گراں

طلب کا یہ کھنچاؤ توڑ گیا حجابِ مکر — مصلحتوں پہ چھا گئی دل کی کدورتِ نہاں

و دلِ حسینؑ کو زہر ملا بجائے تیغ — بھیس بدل کے آ گئی کرب و بلا کی داستاں

نظر پہ کھل گئی نیتِ اہلِ اقتدار — روحِ سیاستِ نفاق دہر پہ ہو گئی عیاں

یہ ہوا یقیں کہ تھا بہرِ مفادِ سلطنت — قربِ رضاؑ بھی ناگوار بُعدِ حسین بھی گراں

بنی میں سب حسینؑ آلِ نبیؐ میں سب رضاؑ — سب کا نصیب کربلا سب سے یزید سرگراں

شاہدِ کم نظر کرے مدحِ امام کس طرح

دامنِ کوزہ مختصر، دامنِ بحرِ بے کراں

کفن کا خلعت

چلے یوں بھی کچھ مسافر سوئے مرگ والہانہ
کہ ہتھیلیوں پہ سر تھے پسِ نقشِ پا زمانہ

جو نظر تھی معتبر تھی جو قدم تھا مستقل تھا
جو نفس تھا مطمئن تھا جو عمل تھا عارفانہ

یہ نظر جہاں بھی ٹھٹکی وہیں جم گئیں نگاہیں
یہ قدم جہاں بھی ٹھہرے وہیں رک گیا زمانہ

یہ وہ نفسِ مطمئن تھے جو یہ جان کر بھی خوش تھے
کہ تڑپتی بجلیوں پر ہے بنائے آشیانہ

یہ وہ سیلِ آگہی تھا جو اجل سے بھی نہ ٹھہرا
کہ سرِ سناں بھی روشن تھا چراغِ رہبرانہ

یہ وہ کاروانِ حق تھا کہ گذر گیا جدھر سے
تو چلا ادھر سے ہو کر کبھی بے سر جاں نہ

وہ نجف ہو کربلا ہو رہِ شام ہو کہ یثرب
کہیں شمعِ آگہی کو نہ بجھا سکا زمانہ

یہ چراغ اب بھی روشن ہیں طلب کی وادیوں میں
جنھیں گود میں لئے ہے غمِ دل کا شامیانہ

یہ وہ نور ہیں کہ جن کو کبھی ڈس سکی نہ ظلمت
یہ وہ نقش ہیں کہ جن پر ہے بنائے حسنِ خانہ

ہے عظیم ایک منزل انھیں منزلوں میں مشہد
وہ نگاہ و دل کا قبلہ وہ رضا کا آستانہ

یہ ہے یادگار اس کی جسے زندگی نے جانچا
یہ عطائے خسروانہ بہ عتابِ آمرانہ

جسے علم تھا کہ سم ہے جسے شہید کہتے ہیں
جو کفن پہن چکا تھا تہِ خلعتِ شہانہ

جو یہ خوب جانتا تھا کہ ہیں آستیں میں خنجر
جو پرکھ چکا تھا نقدِ نگہِ منافقانہ

جسے علم تھا کہ باطل کا مزاج سازشی ہے
یہ کرے گا وار چھپ کر کہ ہے فکر مجرمانہ

...ثار ہا تھا خود کو کہ نہ مٹ سکیں حقائق
جو خموش تھا کہ دنیا نہ تراش لے فسانہ

...سینؑ وہ تھا جس نے دکھا دیا جہاں کو
کہ حسینیت کا دشمن ہے یزید ہر زمانہ

...بر حکمِ بیعت کہ یہ مکر حکمِ شاہی
یہ عطا بھی ایک حیلہ وہ عطا بھی اک بہانہ

...ے علم تھا کہ ایماں ہدفِ نفاق ہوگا
تو خود اپنے سر کو اس نے نہ رکھا نشانہ

...ے درد کو سمجھتا نہ یہ کم نظر زمانہ
تری موت گر نہ کہتی تری زیست کا فسانہ

...ہ آنسوؤں کی رو میں غمِ کائنات ضم تھا
تری خامشی کی زد پر رہی گردشِ زمانہ

...نخاں ہو یا اذاں ہو ترے لب سے جو بھی نکلا
اسے اہلِ دل نے سمجھا لبِ وقت کا ترانہ

...بے شک کہنے سمجھا تو نبیؐ بھی تھا علیؑ بھی
بہ سلیقۂ امامت، بہ دلِ پیمبرانہ

...ے راستے میں حائل ترے عزم کے مقابل
نہ شرارِ چشمِ حاکم نہ عتابِ خسروانہ

...بہ نیازِ فطرت تھی ورائے رنج و راحت
وہی جامۂ فقیری وہی خلعتِ شہانہ

...سفرِ دور دراز تجھے کیوں گراں گزرتا
کہ وطن کی گود میں بھی تو رہا مسافرانہ

...ے موت نے صدا دی ابدی حیات بن کر
تجھے زندگی نے بخشی تب و تابِ جاودانہ

...ی اجل تری نظر میں وہ عطائے خالقِ داور
کسی فاقہ کش کو جیسے کوئی بخش دے خزانہ

تری زیست کے قرینے میں حسنؑ کی صلح جوئی
تری موت کی کہانی میں حسینؑ کا فسانہ

راہِ رضا

یہ خدا جانے ہماری بے حسی ہے یا کمال
جی رہے ہیں صرف ماضی میں نہ مستقبل نہ حال

کچھ بزرگوں کے فسانے ہر مصیبت کا علاج
کچھ روایات کہن ہر زخمِ نو کا اندمال

دردِ ناکامی کی تسکیں داستاں اجداد کی
زخمِ بدحالی کا مرہم عظمتِ آبا کا حال

مصلحت کے نام پر زندہ حقائق سے گریز
خوفِ استہزا سے اپنے گرد خوش فہمی کا جال

مدحتِ اسلاف اور وہ بھی غلط انداز سے
زور و قوت جبر و استبداد معیارِ کمال

فکر کے معبود کچھ سیاف کچھ جنگ آزما
ذہن کا کعبہ گذشتہ سلطنت کے خد و خال

خالد و طارق نمونے عزم کی معراج کے
موسیٰ و مامون تدبیر و سیاست کے رجال

شانِ اسلامی کے مظہر حملہ ہائے غزنوی
فخرِ دینِ مصطفیٰ[۲۱] غوری کا اندازِ قتال

کاش ان خود سوز کج فہموں کو سمجھائے کوئی
عارضی قدروں سے بالا ہیں مقاماتِ کمال

عظمتِ انساں جہانگیری نہیں ایثار ہے
عالمِ اخلاق میں تلوار سے بڑھ کر ہے ڈھال

ہے کمالِ آدمیت ظلم کی زد پر دعا
اپنے غم پر صبر اوروں کے غموں کا اندمال

تہہ زن کشتیِ کمزور موجِ بحر پر — شورشِ باطل پہ غالب جوشِ ایماں کا کمال

تِ تسکینِ دل بیٹے کی گردن پر چھری — آتشِ نمرود پر خنداں رضائے ذوالجلال

لبِ حسنِ حقیقی کی نگاہیں عرش پر — اپنی گستاخی پہ شرمندہ زلیخا کا جمال

ل گدا کی مسکراہٹ سطوتِ فرعون پر — طنزِ خاکِ مصر پر سینا کا حسنِ لازوال

جِ زریں سے حسیں چھپتے ہوئے کانٹوں کا تاج — مسندِ زرتار کو دار و رسن سے انفعال

ئیِ شعب ابو طالب دلِ بطحا پہ طنز — ہیچ پیشِ فقرِ بوجہل و ابوسفیاں کا مال

ۂ خیبر پر رسن بستہ گلے کو برتری — ضربِ خندق سے گراں ضربِ سکوتِ حسبِ حال

سان کہتی ہے کہ بہتر ہے سپر تلوار سے — جنگِ خونِ انجام پر ترجیحِ صلحِ خوش مآل

تی ٹھوکر میں لیے ہے حاکمِ فاتح کا سر — زیرِ خنجر سجدۂ معبود کا اوجِ کمال

سالکِ راہِ رضا کے پاؤں کی زنجیر کو — آج تک کرتا ہے سجدے تاجِ شاہی کا جلال

عفو و ایثار و تحمل، صبر و تسلیم و رضا — چشمِ بینا ہو تو یہ قدریں ہیں معیارِ کمال

صرِ شاہی ہو کہ زنداں تخت ہو یا بوریا — ہر محل پر فکر کا محور رضائے ذوالجلال

رضئ معبود ہو تو سر کٹانا بھی قبول — حکمِ خالق ہو تو اکراہِ حکومت بھی حلال

خلعتِ زرتار پر نازش نہ پیوندوں سے شرم — کثرتِ نعمات پر رغبت نہ فاقوں سے ملال

ہے یہی وہ منزلِ تسلیم وہ راہِ رضا — یثرب و بغداد و مشہد میں ہے جس سے اتصال

چھپے اس راہ سے افسانۂ مہمانِ طوس — یہ سنائے گی سیاست کی جنایت کا حال

ذکرِ نذرِ تخت کا مسموم انگوروں کی بات — صبحِ آغازِ درخشاں، شامِ انجامِ ملال

دامِ خوش رنگِ ولیعہدی کے افعی ساز پیچ　　خلعتِ دامادیٔ شہ کا کفن بر دوشِ جال

فتنۂ ابلیس کا فکرِ امامت پر خروج　　اس طرف تیغِ سیاست اس طرف عصمت کی ڈھال

ایک قلبِ کینہ جو کا مصلحت پرور خلوص　　اک سخی کے سامنے پھیلا ہوا دستِ سوال

اک نفاق آگیں تملق کی فضا چاروں طرف　　اک دروغِ مصلحت آمیز کا صد رنگ جال

ایک رہرو اپنی منزل کی طرف گرمِ سفر　　اک سفر آغاز جس کا جبرِ اجل جس کا مآل

اب بھی گر سمجھے نہ شاہدؔ کوئی کردارِ رضاؑ

دیدۂ بینا اسے بخشے خدائے ذوالجلال

رضا بن گیا

ارضِ زرتشت میں مکر کا اہرمن، جب بزعمِ حکومت خدا بن گیا

ایک سورج محمدؐ کے گھر سے اٹھا، بڑھ کے تنویرِ یزداں نما بن گیا

حسنِ خلقِ نبیؐ، شانِ علمِ علیؑ، روحِ فکرِ حسنؑ، دانشِ کربلا

ایک مرکز پہ جب مل گئے آ کے سب یہ ہمہ رنگ جلوہ رضا بن گیا

جنگ جوئی کی تہمت تھی شبیرؑ پر ردِ تہمت بنا دستِ صلحِ رضا

خود حکومت کا معکوس طرزِ عمل ناشرِ عصمتِ کربلا بن گیا

یہ بھی اعجاز تھا فکرِ معصوم کا، موت، خود زیست کی ترجماں ہو گئی

شکلِ انگور میں قلبِ حاکم کا زہر جھوٹ پہ سچ کا لطیف آئینہ بن گیا

مسجدِ کوفہ سے تختِ بغداد تک خنجرِ دل کا سفر تا بہ زہرِ دغا

نصب ہوتے رہے کچھ سروں کے چراغ، موت بڑھتی گئی راستہ بن گیا

لو، زبانِ امامت کی تنویر میں، اہلِ جنت کی پہچان آساں ہوئی

کچھ شرائط حصارِ اماں ہو گئیں، کلمۂ دینِ حق دائرہ بن گیا

ایک سلطاں کی قبر ایک درویش کی، ایک بار زمیں ایک تاج جبیں

وقت نے جب الٹ دی نقاب ریا لوگ خود دیکھ لیں کون کیا بن گیا

نورِ معصوم اِدھر، حبِّ معصوم اُدھر، طوس سے قلبِ شاہد کی دوری ہی کیا

مادیت کا پردہ جو ہے روح پر درمیاں، کا وہی فاصلہ بن گیا

کربلا سے مشہد تک

ہے خیر و شر کا تصادم ازل سے تا بہ ابد
صمد کی زد پہ صنم ہے، صنم کی زد پہ صمد

گریز جذبۂ دائم ہے بینِ شام و سحر
محیطِ کون و مکاں ہے نزاعِ جہل و خرد

ہے اک جدالِ مسلسل محاذِ ہستی پر
نہ انتہائے ستم ہے نہ صبر و ضبط کی حد

حصارِ عقل کو گھیرے ہے جہل کا صحرا
یقیں کے شہر سے ملتی ہے وہم کی سرحد

وہیں وہیں نظر آتا ہے تیرگی کا غبار
جہاں جہاں بھی فروزاں ہے کوئی شمعِ خرد

شریکِ خونِ رگِ زندگی ہیں حسبِ مزاج
وفا و مہر و مروت، عناد و بغض و حسد

اسی کشاکشِ پیہم پہ ہے مدارِ حیات
یہی تضاد ہے تکوینِ دہر کا مقصد

نہ ہو اگر یہ تنوع تو خیر و شر یک رنگ
یہ امتیاز نہ ہو گر تو کوئی نیک نہ بد

یہی ہے جنت و دوزخ یہی جزا و سزا
یہی صنم کا تصور، یہی نشانِ صمد

یہی وہ فرق ہے جس کی نشاں دہی کے لئے
بہ نامِ دیں معین ہے احتساب کی حد

اسی شعور کی تشکیل و تربیت کے طفیل
ملی رسولوں کو خوشنودیٔ خدا کی سند

اسی گمان و یقیں کے تضاد کی مظہر
اُدھر تھی چشمِ ابوجہل اِدھر دلِ احمدؐ

مخالفینِ علیؑ کو علیؑ سے بغض نہ تھا
حقیقتاً اسی تفریقِ خیر و شر سے تھی کد

یزید اسی لئے تا ظلم کربلا پہنچا
کہ چشمِ سبطِ پیمبرؐ تھی خیر و شر کی سند

یہی خلش رہی جاری دلِ حکومت میں — کہ اہلبیتِ محمدؐ نے کیوں کیا اسے رد

ہر ایک دور نے کچلا نبیؐ کی عترت کو — ہر ایک دور نے مانگی پھر ان کے در سے مدد

یہی تسلسلِ ترک و طلب رہا جاری — کبھی اڑا دیئے سرگاہ بخشش دی مسند

کبھی قریب بٹھایا کبھی اسیر کیا — مگر خلوصِ یدامن قبولیت تھی نہ رد

حسینؑ ہوں کہ رضاؑ، کربلا ہو یا مشہد — بجز سپرِ تیغ وہی نذرِ تاج کا مقصد

حسینؑ جیسے سمجھتے تھے کربلا کیا ہے — رضاؑ بھی تھے بڑے ہی آگاہِ بخششِ مسند

ادھر مسافتِ بلا میں برہنہ تیغ ردم — ادھر قبائے شہی میں چھپی ہوئی کارد

طریقِ کار بدلتی قضا نے بدلا تھا — ہر ایک دور کے حاکم تھے ورنہ ہم مقصد

مگر رضاؑ کو تھا درپیش اک جہادِ عظیم — غلط سمجھتی تھی دنیا حسینؑ کا مقصد

زمانہ کہتا تھا کافر نہ تھا یزید مگر — حسینؑ اڑ گئے ضد پر تو آگئی یہ حد

اگر تعاونِ حاکم قبول کر لیتے — تو بچ بھی سکتے تھے شبیرؑ جنگ سے شاید

رضاؑ نے ہاتھ بڑھا کر یہ کر دیا ثابت — کہ ہر روش پہ ہے باطل کو اہلبیتؑ سے کد

کسی مقام پہ یک جا نہیں حکومت و آل
کہ اک طرف ہے ابوجہل اک طرف احمدؐ

بطلِ حریت

اشکوں سے سوزِ قلب و جگر کم نہ ہو سکا
اے جانے والے ہم سے تیرا غم نہ ہو سکا

سن کر تری اجل کی خبر سانس رک گئی
سینے کی دھڑکنوں سے بھی ماتم نہ ہو سکا

تو نے کیا جہادِ مسلسل تمام عمر
ہم سے تو اعتراف بھی پیہم نہ ہو سکا

اب اس دبیرِ وقت کو ڈھونڈے گی زندگی
جس کا چراغ بجھ کے بھی مدھم نہ ہو سکا

جس کو سلام کر کے بگولے پلٹ گئے
آندھی سے جو عظیم شجر خم نہ ہو سکا

وہ حرفِ حق جو کاوشِ پیہم کے باوجود
تاویلِ ناروا سے بھی مبہم نہ ہو سکا

جس نے ہوا کے رخ پہ جلائے رکھے چراغ
ملو زار سے جس کا شعلۂ جاں کم نہ ہو سکا

دریا جو ریگ زار کو گلشن بنا گیا
سورج جو بادلوں میں بھی مدھم نہ ہو سکا

تھی سر بریدہ جوہرِ حسینیت
باطل کے آگے اس کا بھی سر خم نہ ہو سکا

یوں چاک کر کے رکھ دی قبائے شہنشہی
دامن کا ایک تار فراہم نہ ہو سکا

کی اس نے اس سلیقے سے تفسیرِ کربلا
پھرنے لگی نگاہوں میں تصویرِ کربلا

اس نے تو دینِ حق کو سنوارا چلا گیا
ہم کیا کریں امیر ہمارا چلا گیا

طوفاں تو اب بھی در در سے دیتا ہے دھمکیاں
کمزور کشتیوں کا سہارا چلا گیا

پہنچا کے کارواں کو سرِ منزلِ مراد — عرفان و آگہی کا منارا چلا گیا
کچھ اس قدر صدائے مشیت تھی پرکشش — ٹوٹے دلوں نے لاکھ پکارا چلا گیا
چپ ہو گیا نکھار کے آوازِ حریت — نبضِ خودآگہی کو ابھارا چلا گیا
آیا تھا اک بہشت کا جھونکا زمین پر — اترا تھا ایک عرش کا تارا چلا گیا
روشن کیا چراغِ حرم آنکھ موند لی — پلکوں سے طاقِ کعبہ نکھارا چلا گیا
قلب فصیلِ مشرق و مغرب کو توڑ کر — اسلام کی صفوں کو ابھارا چلا گیا
سیراب کر کے ارضِ عجم کو بہ طرزِ نو — اکرامِ ذوالجلال کا دھارا چلا گیا
تاریخ کے ورق پہ رخِ انقلاب کا — اک نقشِ لازوال ابھارا چلا گیا

لو دیں گے اس کے عزم کے آثار حشر تک
تاریخ کر سکے گی نہ انکار حشر تک

قسمت سے آج ایسی بھی تاریخ آ گئی — جو آمدِ رضا کا بھی مژدہ سنا گئی
پھرنے لگی نگاہوں میں صورت امام کی — گزرے ہوئے زمانے کی پھر یاد آ گئی
آقا غلام خوش ہیں کہ سرکار آ گئے — شاید حضور تک بھی ہماری صدا گئی
وہ گلستاں سنوارا تھا جس کو حضور نے — جس کو سمومِ فصلِ خزاں آ کے ڈھا گئی
وہ باغ اک غلام نے پھر سے سجا دیا — تاریخ پھر حضور کی ڈیوڑھی پہ آ گئی
لیکن وہ باغ رہ گیا معمار چل بسا — اس سال کی ہوا یہ عجب گل کھلا گئی
آنکھوں میں اشک لب پہ تبسم ہے کیا کریں — دنیا عجب طرح کی دورنگی دکھا گئی

یہ موت بھی تو آپ ہی کے گھر کی موت ہے　　شاید حضور کو بھی یہ غم گیں بنا گئی

سرکار تعزیت کے لئے آئے ہیں غلام　　فرشِ عزا دلوں میں عقیدت بچھا گئی

مولیٰ ہمارا اشکوں کا ہدیہ قبول ہو

آقا غلامِ خاص کا پرسہ قبول ہو

نوٹ :- ۵ رجون ۱۹۸۹ء کو سرکار آقائے خمینی ہمیں چھوڑ گئے۔ ۱۴ رجون کو امام بارگاہ سجادیہ میں اور ۱۵ رجون کو خواجہ کمیل صاحب کے مکان پر امام رضاؑ کے یوم ولادت کا جشن تھا۔ وقت کی مناسبت اس نظم کی تخلیق کا باعث ہوئی۔

نواں چاند

رضاؑ کا جانشیں، حق کا ولی، قرآں کی جاں آیا
نواں مہرِ امامت لامکاں سے تا مکاں آیا

پیمبر کا وصی آیا، علیؑ کا ترجماں آیا
بتوں کی بادشاہت میں حرم کا پاسباں آیا

عبث گریاں شکستِ ابن اکثم پر ہے اے حاکم
جلائی کچی لکڑی کیوں کہ آنکھوں تک دھواں آیا

یہ پیمانہ ہے اس سے کیجیے تابانی کا اندازہ
کہ یہ خورشید کتنی ظلمتوں کے درمیاں آیا

یہ بچہ ہل اتیٰ والوں کے گھر کا ہے جہاں سائلؑ
گیا تو نوحہ برلب تھا پھرا تو نغمہ خواں آیا

امامت کے تسلسل میں جمالِ کلنا دیکھو
نہ فرقِ منزلت آیا نہ فصلِ درمیاں آیا

اندھیروں کو مٹانا فرض تھا مہرِ امامت پر
وہیں چمکا یہ سورج ابر کا ٹکڑا جہاں آیا

شکستِ فاش کھائی علمِ ظاہر نے امامت سے
یہ اس عالم سے پوچھو جو بزعمِ امتحاں آیا

امامت کی نظر سے دھل گیا ہر داغ باطل کا
یقیں لے کر اٹھا محفل سے جو صیدِ گماں آیا

تقیؑ پیدا ہوئے سورج کی کرنوں نے سلامی دی
صدائے جبرئیل ابھری زمیں پر آسماں آیا

بڑھا دی اور اذیت خلعتِ دامادیٔ شہ نے
امامت کے گلے میں اور اک طوقِ گراں آیا

نمایاں ہو گئی قربِ تقیؑ سے نیتِ سلطاں
خرد حیراں تھی یہ سورج اندھیرے میں کہاں آیا

شمع ساز

یوں تو دنیا میں رہبر بہت ہیں مگر منفرد عسکریؑ کی یہ توقیر ہے
راہ ایماں کو وہ شمع دے کر گئے وسعتِ حشر تک جس کی تنویر ہے

عسکریؑ اس قدر ہیں محمدؐ نما سامنے جیسے رکھا ہو اک آئینہ
چشم ظاہر کرے کیسے یہ فیصلہ کون ہے اصل کون ان میں تصویر ہے

قول و کردارِ آلِ نبی میں تضاد ڈھونڈنا اک طرف سوچنا بھی گناہ
یہ تو وہ لوگ ہیں جن کی ایک ایک فرد خود ہی قرآں ہے خود ہی تفسیر ہے

آخری معرکہ کربلا کا ابھی منتظر ہے مشیت کے احکام کا
اک حسنؑ کی ضرورت تھی قبلِ حسینؑ یہ حسنؑ صلح آخر کی تحریر ہے

عسکریؑ کی ہیں دو انگلیاں ذوالفقار دیکھ اے شاہِ افواجِ حق کی قطار
اپنی فوجوں کو میداں میں لے کے نکل تجھ سے ممکن اگر ان کی تسخیر ہے

وہ کھلے عسکریؑ کے لب حق نوا، روئے آیات سے پردہ اٹھنے لگا
ایک قرآن الفاظ کا معجزہ ایک قرآن خود اپنی تفسیر ہے

عسکریؑ آخری شمعِ ایماں نہیں آخری شمع ہے پردۂ غیب میں
ہاں مگر چشمِ ظاہر کے امکان تک آخری یہ محمدؐ کی تصویر ہے

عسکریؑ تک تھے حدِ نظر میں امام ہم ہی کچھ دیر سے آئے اس دہر میں
اب یہ غم ہے کہ جانے کا وقت آ گیا اور ظہورِ امامت میں تاخیر ہے

روزِ محشر کا شاہدؔ تجھے خوف کیا تیری ضامن ہے خود مدحِ آلِ نبی
مدحتِ عسکریؑ میں کوئی بیت لکھ یہ بھی اک بیتِ جنت کی تعمیر ہے

عسکریؑ

یہی شرف ہے بہت ذاتِ عسکریؑ کے لئے — کہ شمع دے گئے تا حشر روشنی کے لئے

ثنائے آل ہو بنیادِ زندگی کے لئے — یہ انتہائے سعادت ہے آدمی کے لئے

امام امام ہیں تختِ شہی ہو یا زنداں — وہ منصفی کے لئے ہے یہ بندگی کے لئے

نظر طلب ہے شریعت جنوں نواز نہیں — سلیقہ چاہیئے آدابِ بندگی کے لئے

سلام کرتی ہے انسانیت اُسے جس نے — دعائیں مانگی ہیں دشمن کی بہتری کے لئے

اسی کے در سے ملا سرمدی سرورِ حیات — جو ساری عمر ترستا رہا ہنسی کے لئے

شکست ہو کے طلسمِ فریبِ زاہد کا — نگاہ بن گیا عرفانِ عسکریؑ کے لئے

امام اٹھاتے ہیں دو انگلیاں سنبھل اے شاہ — یہ ذوالفقار کی ضربت ہے خودسری کے لئے

علیؑ کا علم، حسنؑ کی نظر، حسینؑ کا دل — یہ چند آئینے ہیں روئے عسکریؑ کے لئے

امام زد پہ درندوں کی پڑھ رہے ہیں نماز — یہ وضع ہوتا ہے معیارِ بندگی کے لئے

اسی سے کیجئے اندازہ شمع کی لَو کا — جلی تھی کتنے اندھیروں میں روشنی کے لئے

اگر ثنائے رسولِ و امام میں گذرے
تو ایک لمحہ بھی کافی ہے زندگی کے لئے

کلامِ پاک کی تفسیر اور زبانِ امام
ہے اک نورِ علیؑ نور روشنی کے لئے

کچھ ایسا بغض امامت سے تھا حکومت کو
کہ دوستی بھی کبھی کی تو دشمنی کے لئے

فضلائے وقت نے کی ہے دعا مشیت سے
کہ اک حسنؑ کی ضرورت ہے پھر علی کے لئے

ہر اک عمیرؔ و کلیبی نہ بن سکا شاہد
اگرچہ فیضِ حسنؑ عام تھا سبھی کے لئے

شبِ نور

آقا نے توجہ کی یا ساعتِ مرگ آئی
اتنی تو نہ تھی روشن پہلے شبِ تنہائی

دارا و فریدوں کے ایوان گرا آئی
مولا کے غلاموں کی ٹوٹی ہوئی انگڑائی

کی ذوقِ تولّا نے یوں حوصلہ افزائی
لفظوں کو اثر بخشا احساس کو دانائی

یہ ان کی لگن مجھ کو کس موڑ پہ لے آئی
چپ بیٹھوں تو دم الجھے بول اٹھوں تو سودائی

قرآں کے ہم پیرو قرآں ترا شیدائی
دو لفظوں میں قرآں کی کل روح سمٹ آئی

کل شب سے مرے دل پر انوار کی بارش ہے
آقا کو خدا جانے کیا بات پسند آئی

کس کام کی وہ نظریں جو پہنچیں نہ جلووں تک
اک طرزِ مسلسل ہے مجھ پر مری بینائی

جد آخری پیغمبرؐ آپ آخری حجت ہیں
یاں آ کے ملی آخر یکتائی سے یکتائی

سوچا تھا کہ کیا ہوگی صورت مرے آقا کی
نظروں میں پیمبر کی تصویر ابھر آئی

سامرے کا ہر ذرہ سجدوں سے سجا دوں گا
چپکا تو نہ بیٹھے گا یہ ذوقِ جبیں سائی

آغاز اسی منزل سے ہے علمِ امامت کا
جس نقطے پہ رک جائے انساں کی دانائی

وہ چاہیں تو نظروں سے دل چیر دیں ذروں کا
پابندِ امامت ہے عالم کی توانائی

محسوس ہوا جیسے وہ مجھ کو بلاتے ہیں
جب صبح کو کانوں میں آوازِ اذاں آئی

ہونٹوں کے تبسم سے آگے نہ بڑھیں نظریں
ناپی نہ گئی اب تک احساس کی گہرائی

انسان بہک جاتے ایمان ٹھٹک جاتے
قائم نہ اگر ہوتا اک مرکزِ دانائی

کر قصدِ ولا شاہدؔ خود حق سے عطا ہوگی
افکار کی بے لوثی الفاظ کی سچائی

کہاں پہنچے

جہاں چشمِ یقیں پہنچے نہ پروازِ گماں پہنچے
وہ اپنی بزم سے اٹھ کر خدا جانے کہاں پہنچے

امیرِ عصر تک کیا گردشِ کون و مکاں پہنچے
بہارِ تازہ بن جائے جو اس گل تک خزاں پہنچے

اگر ممکن نہیں کردار کی رفعت پہ جاں پہنچے
کم از کم جاگتے مل جائیں ہم جب وہ یہاں پہنچے

سلگتی آرزوؤں کو ہوا دے دے کے دہکا لو
کہیں ایسا نہ ہو آقا کی آنکھوں تک دھواں پہنچے

زباں کھینچی گئی اہلِ وفا کی اس جسارت پر
کہ ان کا نام تھا لب پر جہاں ٹھہرے جہاں پہنچے

تمنا ہے کہ ہو جاؤں شریکِ داستاں میں بھی
جب اپنے خاتمے پر کربلا کی داستاں پہنچے

جگا دیتا ہے ذکرِ آقا کا یوں خوابیدہ ذہنوں کو
کہ جیسے صبحدم کانوں میں آوازِ اذاں پہنچے

شریک اس قافلے میں ہوں کہ لغزش ہو جو قدموں کو
تو بہرِ دستگیری خود امیرِ کارواں پہنچے

عریضہ چھوڑ دو موجوں میں بس اتنا پتہ لکھ کر
یہ جس کے نام ہے وہ جس جگہ بھی ہوں وہاں پہنچے

سرِ شاہد ہو یارب پائے آقا پر دمِ آخر
یہ پس ماندہ مسافر بھی قریبِ کارواں پہنچے

حاصلِ انتظار

ولائے آلِ عبا ہے مرے شعور میں حل   ہے اک زبورِ محبت قصیدہ ہو کہ غزل
وفا کے لعل و گہر سے سجا ہے میرا وجود   میں اپنی ذات میں ہوں منقبت کا تاج محل
جہانِ رومی و اقبال میں نہ ڈھونڈ مجھے   کہ میرے میرِ سخن ہیں فرزدق و دعبل
حریمِ قدس ہے منزل مرے تصور کی   مرے خیال کا مسجود ہے ضمیرِ اجل
مری نگاہ کا سورج تجلیِ قرآں   مرا شعورِ بصیرت حدیث کی مشعل
طفیلِ نہج بلاغت سے مری نظم میں نور   زبورِ آلِ محمدؐ سے ہے میری روحِ غزل
مری نوا میں ہے روح الامین کا لہجہ   مری زبان میں ہے ذوالفقار کا کس بل
مزاجِ یاسرِ عمار ہے مری فطرت   طریق بوذر و سلماں ہے میری راہِ عمل
ہوں اپنی ذات میں قنبر بھی ابن اشتر بھی   غلامِ آلِ عبا دشمنِ علیؑ کی اجل
نفاق کے لئے میری زباں ہے تیغِ دو دم   مری نگاہ کا حلقہ ہے کفر کا مقتل
مگر یہ تیغ ابھی وقت کے غلاف میں ہے   یہ قتل گاہ نگاہوں سے ہے ابھی اوجھل
ابھی تو پائے سخن آگہی کی راہ میں ہے   ابھی تو کرتا ہوں تیغِ زباں پہ میں صیقل
کہوں گا وہ بھی قصیدہ کبھی بشرطِ حیات   جو روحِ فن ہو جو ہو شاہکارِ فکر و عمل
وہ جس کے لفظوں میں ضم ہونگی دھڑکنیں دل کی   کروں گا خونِ جگر جس کے حرف حرف میں حل

ابھی تو دیتا ہوں آواز اس ایک لمحے کو / ضمیرِ حق میں جو ہے ابتدائے ردِ عمل

ابھی تو ڈھونڈ رہا ہوں اس آفتاب کو میں / ہے جس کی پہلی کرن انقلاب کی مشعل

ہوں کب سے گوش بر آواز اس اذاں کے لئے / جو میری روح سے کہہ دے کہ سوئے کعبہ چل

سنائے مژدہ کہ سرکار کا ظہور ہوا / حرم کی گود میں لہرا رہا ہے نورِ ازل

وہ جس کو گردشِ دوراں سلام کرتی تھی / وہ جس کے سائے سے بچ بچ کے چل رہی تھی اجل

جو ہے مفسرِ قرآں مزاج دانِ حدیث / ہے جس کے دامِ نظر میں ابد ہو یا کہ ازل

وہ ایک آیۂ ناسخ کرے گا جو منسوخ / ہوا ہے معنیٔ قرآن میں جو بھی ردوبدل

وہ اپنے منصبِ ذاتی میں حجتِ آخر / فضائے نور میں اک جزوِ خلقتِ اول

صدائیں دیتی ہیں جس کو قرأت کی موجیں / پکارتا ہے جسے کربلا کا ردِ عمل

ردائے اہلِ حرم، مرہمِ دلِ زہراؑ / سرشکِ دیدہ سجادؑ کا عظیم بدل

سن اس صدا کو جو بامِ حرم سے آتی ہے / اٹھ اور اٹھ کے قدمبوسیٔ حضور کو چل

شریکِ فوجِ خدا ہو کہ ذوالفقار کھنچی / یہ ہوش باش کہ ہے وقتِ احتسابِ عمل

گذر رہے ہیں مرے دن اسی تصور میں / اک انتظارِ مسلسل ہے زندگی نہ اجل

مرا یقیں ہے مرے انتظار کی بنیاد / اور انتظار ہے سوزِ یقیں کا ردِ عمل

مجھے یقیں ہے کٹے گی یہ شب سحر ہو گی / مجھے یقیں ہے کہ ہر آج کا نصیب ہے کل

مجھے یقیں ہے وہ آئیں گے اور میں شاہد

پڑھوں گا بیٹھ کے قدموں میں ان کے تازہ غزل

ولیِ عصر

ہمارا مقصدِ تخلیق ہے حسینؑ کا غم
دعائے بنتِ پیمبر ترا جواب ہیں ہم

ہمارے ہونٹوں کی معراج داستانِ شہید
ہمارے لفظوں کا مسجود کربلا کا حرم

ہمارے دل کی توانائیاں ولا کی امیں
ہمارے ہاتھوں کا مصرف حسینؑ کا ماتم

ہمارا مرکزِ فکر و نظر ہے کرب و بلا
وہ دشتِ ظلم، وہ ارضِ جفا، وہ منزلِ غم

جہاں کے ذروں کی آواز بے صدا بن کر
شہید مانگ رہے ہیں خدا سے دادِ ستم

نہ جانے عدلِ مشیت سے کب جواب ملے
تڑپ رہی ہے ابھی آرزوئے پرسشِ غم

اگر جزا و سزا سیرتِ الٰہی ہے
اگر مشیتِ داور ہے احتسابِ ستم

وہ آئے گا جسے لینا ہے انتقامِ حسینؑ
کہ مل سکے دلِ زہراؑ کو غم کی مرہم

ولیِ عصر، شہِ کربلا کے خوں کی قسم
برائے سیدہؑ تو بھی نہیں حسینؑ سے کم

تڑپ کے دیکھتی ہے تجھ کو ذوالفقارِ علیؑ
ترس رہا ہے ترے دوش کو نبیؐ کا علم

نگاہِ گردشِ کونین تک رہی ہے تجھے
زمانہ ڈھونڈ رہا ہے ترے نقوشِ قدم

بلا رہی ہیں وہ قرآں کی آیتیں جن پر
چلی ہے تیغِ جفائے سیاستِ عالم

ہیں منتظر وہ احادیثِ مصطفیٰؐ کہ جنہیں
سنا گیا نہ مگر ہو سکیں سپردِ قلم

نقاب اٹھانہ اٹھا تیری مصلحت جانے
ہماری حد تو یہ ہے بھیج دیں عریضۂ غم

بہ قدرِ علم، بہ قدرِ نظر، بہ قدرِ شعور
قصیدے کرتے رہیں تیری منقبت میں رقم

وہ دل کے پاس ہیں نظروں سے دور فکر میں ضم
کرے بھی کیا کوئی حد بندی وجود و عدم

ظہور مثلِ بشر جس کا غیب مثلِ اللہ
میانِ واجب و ممکن وہ جادۂ محکم

وہ جس کے ساتھ دھڑکتا ہے کائنات کا دل
وہ جس کا تارِ نظر نبضِ گردشِ عالم

وہ جس کے حلقۂ دانش میں خامشی بھی صدا
وہ جس کے نطق کے معیار پر عرب بھی عجم

وہ جس کو ڈھونڈ رہی ہے اذانِ صبحِ ظہور
وہ جس کو دیتے ہیں آواز سقف و بامِ حرم

وہ جس کے پردۂ رخ کی ہر ایک جنبش میں
دھڑک رہا ہے مسلسل دلِ وجود و عدم

رخِ امامت و عصمت کی آخری تصویر
نبیؑ شعور، ضمیرِ اللہ کا محرم

کہیں جمالِ محمدؐ، کہیں جلالِ علیؑ
وہی نقیبِ رسالت، وہی امامِ امم

وہ جس کے لہجے میں گفتارِ مصطفیؐ کا جلال
وہ جس کے لفظوں میں قرآں کی آیتوں کا حشم

علیؑ کی فکر، حسنؑ کی نظر، حسینؑ کا دل
خدا شناس، ازل آشنا، ابد محرم

شکستِ ماسوا

جب محبت پر تصور کی جلا ہو جائے گی
دل کی دھڑکن ان کے قدموں کی صدا ہو جائے گی

آخرِ شب صبحِ نو کی ابتدا ہو جائے گی
ٹیس اٹھنے دو یہ خود اپنی دوا ہو جائے گی

دردِ کو درماں بنائے گا شعورِ کیفِ غم
خود شکستِ دل ہی دل کا مدعا ہو جائے گی

لغزشِ پیہم سے جب تھک جائے گا پائے خیال
فکرِ خود شائستۂ رسمِ وفا ہو جائے گی

ہے عروجِ بتکدہ تمہیدِ تطہیرِ حرم
شمع کی لَو جب بھڑک اٹھی فنا ہو جائے گی

کفر کا پورا عمل ہوتے تو دو کونین پر
فطرتاً ردِ عمل کی ابتدا ہو جائے گی

گر یونہی بڑھتا رہا ظاہر پرستی کا مذاق
ایک دن ہر جگمگاتی شے خدا ہو جائے گی

بس اسی منزل سے بدلے گی زمانے کی روش
بس اسی ساعت شکستِ ماسوا ہو جائے گی

دفعتاً پڑ جائے گی فطرت کے ماتھے پر شکن
زندگی کی ہر روش خطِ فنا ہو جائے گی

تہ کی جانب رخ کریں گی سرکشیدہ کشتیاں
موجِ طوفانِ ہلاکت ناخدا ہو جائے گی

بت کدے کی اوٹ سے ابھرے گی دیوارِ حرم
سقفِ کعبہ سے سحر جلوہ نما ہو جائے گی

ٹوٹ کر بجھ جائیں گے باطل خداؤں کے نجوم
پردہ اٹھے گا حقیقت آئینہ ہو جائے گی

دین والوں کو صدا دے گا محافظ دین کا
روحِ ایماں حرفِ لبیک دا تا ہو جائے گی

اہلِ ہمت لغزشوں کو بھی بنا لیں گے قدم
رہزنی فطرت بدل کر رہنما ہو جائے گی

یوں گدازِ غم میں ضم ہو گا مذاقِ زندگی
آہ جب بھی لب تک آئے گی دعا ہو جائے گی

اپنے پوتے کی زبان و لب سے بولیں گے حسینؑ
احتسابِ کربلا کی ابتدا ہو جائے گی

آئے گا میداں میں قرآں زیرِ ظلِ ذوالفقار
نوکِ نشتر شارحِ دینِ خدا ہو جائے گی

اس روانی سے بہے گا کفر کی شہ رگ کا خوں
اک فراتِ نو نصیبِ کربلا ہو جائے گی

عالمِ تن پر حکومت ملکِ جاں پر دسترس
سرفروشانِ وفا کا خوں بہا ہو جائے گی

کتنی مدت سے ہیں سجدے منتظر اب آ بھی جاؤ
اک پیمبر کی نمازِ شوق ادا ہو جائے گی

شکستِ ماسوا

جب محبت پر تصور کی جلا ہو جائے گی
دل کی دھڑکن انکے قدموں کی صدا ہو جائیگی

آخرِ شب. صبحِ نو کی ابتدا ہو جائے گی
ٹیس اٹھنے دو یہ خود اپنی دوا ہو جائے گی

درد کو درماں بنا لے گا شعورِ کیفِ غم
خود شکستِ دل ہی دل کا مدعا ہو جائے گی

لغزشِ پیہم سے جب تھک جائیگا پائے خیال
فکر خود شائستۂ رسمِ وفا ہو جائے گی

ہے عروجِ بتکدہ تمہیدِ تطہیرِ حرم
شمع کی لَو جب بھڑک اٹھی فنا ہو جائے گی

کفر کا پورا عمل ہونے تو دو کونین پر
فطرتاً ردِ عمل کی ابتدا ہو جائے گی

گر یونہی بڑھتا رہا ظاہر پرستی کا مذاق
ایک دن ہر جگمگاتی شے خدا ہو جائے گی

بس اسی منزل سے بدلے گی زمانے کی روش
بس اسی ساعت شکستِ ماسوا ہو جائے گی

دفعتاً پڑ جائے گی فطرت کے ماتھے پر شکن
زندگی کی ہر روش خطِ فنا ہو جائے گی

تہ کی جانب رخ کریں گی سرکشیدہ کشتیاں
موجِ طوفانِ ہلاکت ناخدا ہو جائے گی

بتکدے کی اوٹ سے ابھرے گی دیوارِ حرم
سقفِ کعبے سے سحر جلوہ نما ہو جائے گی

ٹوٹ کر بجھ جائیں گے باطل خداؤں کے نجوم
پردہ اٹھے گا حقیقت آئینہ ہو جائے گی

دین والوں کو صدا دے گا محافظ دین کا
روحِ ایماں صرف لبیک ندا ہو جائے گی

اہلِ ہمت لغزشوں کو بھی بنالیں گے قدم
رہزنی فطرت بدل کر رہنما ہو جائے گی

یوں گدازِ غم میں ضم ہو گا مذاقِ زندگی
آہ جب بھی لب تک آئی گی دعا ہو جائیگی

اپنے ہوتے کے زبان و لب سے بولیں گے عین
احتسابِ کربلا کی ابتدا ہو جائے گی

آئے گا میداں میں قرآں زیرِ ظلِ ذوالفقار
نوکِ نشتر شارحِ دینِ خدا ہو جائے گی

اس روانی سے بہے گا کفر کی شہ رگ کا خوں
اک فراتِ نو نصیبِ کربلا ہو جائے گی

عالمِ تن پر حکومت ملکِ جاں پر دسترس
سر فروشانِ وفا کا خوں بہا ہو جائے گی

کتنی مدت سے ہیں سجدے منتظر اب آ بھی جاؤ
اک پیمبر کی نمازِ شوق ادا ہو جائے گی

جنونِ برتری

رقص میں ہے بال بکھرائے جنونِ برتری
سازِ وحشت پر ہے اندھی موت کی نغمہ گری

کتنے سر ٹھکرا رہے ہیں بہرِ تاجِ سروری
بٹ رہی ہے دھجیاں ہو کر قبائے قیصری

بھیڑیئے ہیں اور بھیڑوں کی نگہداری کا فرض
تیغ زہر آلود ہے اور زخم کی چارہ گری

بھوکے گدھ منڈلا رہے ہیں زندگی کی لاش پر
ننگی روحیں کر رہی ہیں موت کی سوداگری

دھند، سناٹا، گھٹن، وحشت، بگولے، زلزلے
آسمانوں میں، زمینوں میں، خلا میں تھرتھری

عزتیں نیلام ہوتی ہیں بھرے بازار میں
کھوٹے سکے ہیں بشر کی عظمتوں کے مشتری

رات کے صحرا میں منہ پھاڑے ہوئے ظلمت کا دیو
خوف کی چادر میں لپٹی صبحِ تاباں کی پری

آبلہ پا کس طرف جائیں کہاں منزل کریں
راستے تپتے ہوئے پگڈنڈیاں کانٹوں بھری

اور پتھر دل فضا ہر خیر و شر سے بے نیاز
کر رہی ہے پے بہ پے ضربات سے شعلہ گری

آگ جھلسے دے رہی ہے آبلہ پاؤں کے زخم
آتشِ سیال ہے بہتے ہوئے خوں کی تری

اور اس وحشت زدہ ماحول میں انسانیت
تک رہی ہے مہر بر لب سوئے عرشِ داوری

اے مصور کیا یہی تصویر تھی مقصودِ کُن
کنزِ مخفی! کیا یہی تھا مقصدِ جلوہ گری

اشرف المخلوق، اور اتنا زبوں حال و خراب
احسنِ تقویم اور اس درجہ بے بال و پری

فاطرِ کونین کا شاید یہ منشا تو نہ تھا
ٹھوکروں میں پس کے رہ جائے بشر کی سروری

پھر یہ مہر و ماہ و انجم یہ خلا یہ کہکشاں
اور ازل سے ان مظاہر کا نظامِ خودگری

وقت کی رفتار، لمحوں کا تسلسل روز و شب
شعلہ و شبنم، ہوا و حبس، خشکی و تری

جنت و دوزخ، حیات و موت، میزانِ عمل
نور و ظلمت، خیر و شر، ابلیسیت پیغمبری

کیا یہ نظمِ بے کراں قدرت کا اندھا کھیل ہے
کیا یہ ترتیبِ عناصر ہے تری بازی گری

کیا اسی خاطر سجی تھی محفلِ کون و مکاں
آندھیوں میں بجھ کے رہ جائے چراغِ داوری

ہے اگر اس کائناتِ دہر کا ناظم کوئی
ہے کسی فکرِ شعوری کی یہ سب بازی گری

پھر یہ ممکن ہی نہیں مٹتا رہے نقشِ حیات
اور آنکھیں بند کر لے نقش کارِ داوری

ہے یہی عالم تو آئے گا یقیناً انقلاب
ہے خدا کوئی تو مٹ کر ہی رہے گی خودسری

نصِ قرآں ہے حق آئے گا ضرور آئے گا حق
جائے گا باطل کہ ہے تقدیرِ باطل ابتری

آئے گا اک رہبرِ کامل محمدؐ کی قسم
حق ہے ہر پائے طلب کا سوئے منزل رہبری

یاالٰہی کون ہے وہ کس طرف سے آئے گا
تو تو کہتا تھا کہ آخر ہو چکی پیغمبری

دین کامل ہو چکا قرآن نازل ہو چکا
اب بھی کیا باقی ہے کچھ اور اہتمامِ رہبری

کس سے پوچھیں کون دے گا فکرِ انساں کو جواب
یا کتابِ خالقِ کل یا لبِ پیغمبری

لو سنو وہ لب کھلے پیغمبرِ کونین کے
شوقِ منزل دیکھ جل اٹھی وہ شمعِ رہبری

سن رکھو اس وقت ابھرے گا افق سے آفتاب
اپنی حد پر جب پہنچ جائے گی تیرہ اختری

جب زمیں اٹ جائے گی گرد و غبارِ ظلم سے
وقت کا قانون، ہو گی ظالموں کی خودسری

جب نگاہ و دل پہ ہو گا پردۂ بغض و نفاق
حکم آخر ہو گی لاقانونیت کی سروری

ایک شخص اس وقت اٹھے گا مری اولاد سے　　اپنی رگ رگ میں لئے خونِ دلِ پیغمبری

پھر وہ بھر دے گا زمیں کو نورِ عدل و داد سے　　ہو گی قائم شرق سے تا غرب حق کی سروری

وہ مرا ہم نام ہو گا اور اس پر فرض ہے　　کارِ پیغمبر کرے بے منصبِ پیغمبری

قولِ پیغمبر کے آئینے میں دنیا دیکھ لے　　دور کتنی رہ گئی ہے منزلِ جلوہ گری

ہم اسی کے منتظر ہیں یہ اسی کی بزم ہے　　ہے وہی سالار ہم سب ہیں اسی کے لشکری

ہاں وہی موعودِ پیغمبر وہی ظلمت شکار　　ہے ہماری شامِ طولانی کا مہرِ خاوری

آئے گا وہ دونوں ہاتھوں میں لئے دو آیتیں　　ایک میں قرآن اک میں ذوالفقارِ حیدری

ہے وہی مہدیؑ، وہی ہادیؑ وہی میزانِ حق　　اب اسے قائمؑ کہے کوئی کہ امرِ داوری

کاش بن جاؤں میں شاہد اس محمدؐ کا بلال

کاش مل جائے مجھے اس شیرِ حق کی قنبری

فکر کا سفر

وقت کے صحرا میں انساں کا سفر
نامکمل، نارسا، نامعتبر

ہر طرف پگڈنڈیاں بکھری ہوئی
راستوں کے جال تا حدِ نظر

منزلِ آخر نظر کی حد سے دور
اور پائے فکر مجبورِ سفر

انتخابِ راہ کا تو اختیار
اختتامِ راہ سے سب بے خبر

کس طرف جائیں، کہاں منزل کریں
کوئی نقشِ پا نہ کوئی رہگذر

اضطراری خود کلامی کے سوا
ہم زباں کوئی نہ کوئی ہم سفر

ہر قدم پر الجھنوں کے پیچ و خم
ظلمتِ ماحول تا حدِ نظر

حسرتوں کے داغ محرومی کے زخم
زیست کی فطری طلب کے جسم پر

وہم کی پرچھائیاں چاروں طرف
فکر کی پگڈنڈیوں کے موڑ پر

جہل کے ویراں جزیرے دور تک
وحشتِ دل کے بگولے ہم سفر

یہ فضائے تیرہ و ہمت شکن
اور پائے زیست مجبورِ سفر

خستگی کو اک سہارے کی تلاش
ذہن و دل کو جستجوئے راہبر

الغرض الجھا ہوا اک قافلہ
راہ بھٹکا بے شعور و بے نظر

اور انہیں میں رہبری کے مدعی
کچھ مسافر دوسروں سے تیز تر

راہبر چن لیں انہیں میں سے کوئی
کیا کرے اس کے سوا فکرِ بشر

بنتے جاتے ہیں مسلسل قافلے
اپنے اپنے رہبروں کی پشت پر

کون جانے کس کو منزل ہو نصیب
کس کی قسمت ہے فقط گردِ سفر

آخری منزل ہے شاید اس کے پار
وہ جو اک پردہ سا آتا ہے نظر

وہ جہاں کرنیں سی کچھ ضو ریز ہیں
وہ جہاں تارے سے ہیں کچھ جلوہ گر

یہ وہی غیبت کا پردہ تو نہیں
دے گئے ہیں مصطفیٰ جس کی خبر

حدِ مہلت ہے جو باطل کے لئے
خطِ فاصل درمیانِ خیر و شر

ہے اسی چہرے کی شاید یہ نقاب
جس کا جلوہ ہے صداقت کی سحر

کیسے دیکھوں کس طرح دیکھوں اسے
کردگارِ نور، توفیقِ نظر

اے جمالِ غیب، نورِ معتبر
تو ہی جلوہ تو ہی مختارِ نظر

جیسے چاہے اب بدل دے نظمِ زیست
تیری غیبت شب ترا جلوہ سحر

جو مرے حق میں ہو بہتر بخش دے
دید یا محرومیِ چشم و نظر

اپنی حدِ مقدرت تو بس یہ ہے
پردۂ غیبت رکھوں پیشِ نظر

جو قدم اٹھے سوئے منزل اٹھے
رخ نہ بدلے راستوں کے موڑ پر

رہ گئی ظلمت سو وہ تیرے سپرد
راہ جانے اور اس کا راہبر

خود الٹ دے اپنے چہرے سے نقاب
یا جلا دے کوئی شمعِ رہگذر

ہاں مرے آقا مگر یہ عرض ہے
ہو گا راہِ کربلا سے ہی گذر

کیا کہوں گر پوچھ لے کوئی شہید
کب تک آئے گا زعیمِ منتظر

کب زباں کھولے گی آخر ذوالفقار
قطع ہوگا کب کلامِ ظلم و شر

کب سے ہیں شب ہائے پیہم کے اسیر
کب عیاں ہوگی شہیدوں کی سحر

تا بکے سنتی رہے گی کائنات
ایک ماں کا نالۂ شام و سحر

کب ڈھکے گا سر اٹھا کر دستِ عدل
چادرِ زہراؑ سے پھر زینب کا سر

تا بہ کے کرتا رہے گا ذکرِ ظلم
خونِ اصغر چہرۂ شبیرؑ پر

میرے آقا ان سوالوں کا جواب
میرے مولا، ایک حرفِ مختصر

آفتابِ عصر

دھند سا چھایا فضا میں جب ظلمت پر شباب
رات بڑھتی جا رہی ہے سوئے ملکِ آفتاب

درد اٹھنے دو یہ خود اپنی دوا ہو جائے گا
دھند بڑھنے دو یہ خود کھولے گی صبحِ نو کا باب

ہے ازل ہی سے یہ ترتیبِ نظامِ روز و شب
انتہائے تیرگی ہے ابتدائے آفتاب

دے سکیں جب آخری سُر پر اگر نغمے کی لَے
جھنجھنا کر ٹوٹ جاتا ہے ہر اک تارِ رباب

رقص گاہِ ظلم رہتی ہے دمِ آخر تک زندگی
قلبِ انساں میں ہو جب تک ظلم سہنے کی تاب

پھر ابھرتا ہے شکستِ ضبط پر ردِ عمل
پھر انہی سکوں میں مل جاتا ہے ظالم کو جواب

اک نہ اک گوشہ نقابِ شب کا ہو جاتا ہے چاک
اک نہ اک سورج اٹھا دیتا ہے چہرے سے نقاب

پھر یہ کس صورت سے ممکن ہے کہ یہ دہرِ خراب
تیرگی کی حد پہ پہنچے اور نہ نکلے آفتاب

آج اگر کم ہے تو کل ہو جائے گا اتمامِ ظلم
آج اگر ٹھہرا تو کل ٹوٹے گا باطل کا سراب

یہ تو ممکن ہی نہیں ہوتا ہے بندوں پہ ظلم
اور آنکھیں بند کر لے مالکِ روزِ حساب

عدلِ خالق کا تقاضا اور رنگِ دہر اور
انقلاب آئے گا، آئے گا یقیناً انقلاب

صبح بھی ہوگی ذرا ظلمت پہ آ جائے شباب
رات ابھی اس حد پہ کب پہنچی کہ نکلے آفتاب

صبح ہوگی دوستو یہ تو یقینی ہے مگر
کون جانے اور ابھی کب تک رہے ظلمت پرشباب

کون کہہ سکتا ہے کس کی عمر کب تک ساتھ دے
کون جانے کس کی قسمت میں ہے دیدِ آفتاب

آج کا دن ان کا دن ہے اک صدا دیتے چلو
کیا تعجب ہے لبِ آقا سے مل جائے جواب

اے دعائے عسکریؑ اے دیدۂ نرجسؑ کے خواب
اے یقینِ مصطفیٰؐ اے اعتبارِ بوترابؑ

اے مدبّر، واقفِ روح و ضمیرِ دینِ حق
اے مقنّن، شارحِ اسرار و ایمائے کتاب

اے مصدق، اے محمدؐ کے نشانِ لازوال
اے امام، اے آخری تصویرِ عسکر، بوترابؑ

اے مجاہد، اے شہیدِ کربلا کے ورثہ دار
اے مغیث، اے ذمہ دارِ انتقام و احتساب

اے تدبر کے حسنؑ، تدبیرِ منزل کے حسینؑ
اے تقدس کے محمدؐ، اے خرد کے بوترابؑ

اے محدث، جس کا اک اک قول فرمانِ رسول
اے مفسر جس کا ایک اک حرف قرآں انتساب

اے مرادِ چشمِ عالم، اے زعیمِ انقلاب
آ کہ تیرا منتظر ہے صبحِ نو کا آفتاب

آخرِ شب تند موجوں پہ عریضوں کی قطار
لے چلی ہے کتنے خوں گشتہ دلوں کا اضطراب

کتنے ناکردہ گناہوں کی فغانِ بے صدا
مانگتی ہے تیری خاموشیِ مبہم سے جواب

ہیں تری آوازِ پا کے منتظر کتنے شہید
بند آنکھوں میں چھپائے آرزوئے اقتصاب

تیرے ہاتھوں سے نہیں ہٹتی نگاہِ ذوالفقار
دیکھتے ہیں تیرے لب کو معنیِ امّ الکتاب

ڈھونڈتی پھرتی ہے تجھ کو اک پیمبر کی جبیں
تجھ کو کرتا ہے سلام اک مقتدی کا اضطراب

تجھ کو دیتا ہے صدا اک خونِ ناحق بار بار
تجھ کو تکتا ہے مسلسل ایک ماں کا التہاب

اے ضمیرِ بل آتی، اک لمحۂ تسکیں کی بھیک
اے امامِ عصر شاہد کو کوئی مثبت جواب

ولیِ عصر

ہمارا مقصدِ تخلیق ہے حسینؑ کا غم — دعائے بنتِ پیمبرؐ ترا جواب ہیں ہم
ہمارے ہونٹوں کی معراج داستانِ شہید — ہمارے لفظوں کا مسجود کربلا کا حرم
ہمارے دل کی توانائیاں ولا کی امیں — ہمارے ہاتھوں کا مصرف حسینؑ کا ماتم
ہمارا مرکزِ فکر و نظر ہے کرب و بلا — وہ دشتِ ظلم، وہ ارضِ جفا وہ منزلِ غم
جہاں کے ذروں کی آوازِ بے صدا بن کر — شہید مانگ رہے ہیں خدا سے دادِ ستم
نہ جانے عدلِ مشیت سے کب جواب ملے — تڑپ رہی ہے ابھی آرزوئے پرسشِ غم
اگر جزا و سزا سیرتِ الٰہی ہے — اگر مشیتِ داور ہے احتسابِ ستم
تو پھر شہیدوں کا خوں رائیگاں نہ جائیگا — محال ہے کہ رہے زخمِ زیست بے مرہم
اٹل ہے مثلِ قضا ایک منتقم کا ظہور — نظامِ عدل میں واجب ہے احتسابِ ستم
وہ آئے گا جسے لینا ہے انتقامِ حسینؑ — کہ مل سکے دلِ زہراؑ کو خنکیِ مرہم

....

ولیِ عصر، شہِ کرب لائے خوں کی قسم — برائے سیدہؑ تو بھی نہیں حسینؑ سے کم
تڑپ کے دیکھتی ہے تجھ کو ذوالفقارِ علیؑ — ترس رہا ہے ترے دوش کو نبیؐ کا علم

نگاہِ گردشِ کونین تک رہی ہے تجھے
زمانہ ڈھونڈھ رہا ہے ترے نقوشِ قدم

بلا رہی ہیں وہ قرآں کی آیتیں جن پر
چلی ہے تیغِ جفائے سیاستِ عالم

ہیں منتظر وہ احادیثِ مصطفیٰ کہ جنہیں
سنا گیا نہ مگر ہو سکیں سپردِ قلم

نقاب اٹھا نہ اٹھا تیری مصلحت جانے
ہماری حد تو یہ ہے بھیج دیں عریضۂ غم

بہ قدرِ علم، بہ قدرِ نظر، بہ قدرِ شعور
قصیدے کرتے رہیں تیری منقبت میں رقم

....

وہ دل کے پاس ہیں نظروں سے دور فکر میں ضم
کرے بھی کیا کوئی حد بندیٔ وجود و عدم

ظہور مثلِ بشر جس کا، غیب مثلِ الٰہ
میانِ واجب و ممکن وہ جادۂ محکم

وہ جسکے ساتھ دھڑکتا ہے کائنات کا دل
وہ جس کا تارِ نظر نبضِ گردشِ عالم

وہ جس کے حلقۂ دانش میں خامشی بھی صدا
وہ جس کے نطق کے معیار پر عرب بھی عجم

وہ جس کو ڈھونڈھ رہی ہے اذانِ صبحِ ظہور
وہ جس کو دیتے ہیں آوازِ سقف و بامِ حرم

وہ جس کے پردۂ رخ کی ہر ایک جنبش میں
دھڑک رہا ہے مسلسل دلِ وجود و عدم

رخِ امامت و عصمت کی آخری تصویر
نبیؐ شعور، ضمیرِ الٰہ کا محرم

کہیں جمالِ محمدؐ، کہیں جلالِ علیؑ
وہی نقیبِ رسالت، وہی امامِ امم

وہ جسکے لہجے میں گفتارِ مصطفیٰؐ کا جلال
وہ جسکے لفظوں میں قرآں کی آیتوں کا حشم

علیؑ کی فکر، حسنؑ کی نظر، حسینؑ کا دل
خدا شناس، ازل آشنا، ابد محرم

اور کب تک انتظار

یہ سانسوں کی تپش کب تک یہ آہوں کا دھواں کب تک
پرائی آگ میں جلتے رہیں گے جسم و جاں کب تک

فروغِ حق کے پردے میں یہ باطل ساز باں کب تک
رہیں گے یہ منافق ذہن دیدہ بر حکمراں کب تک

یہ ننگی جارحیت آمرِ نظمِ جہاں کب تک
اڑیں گی دامنِ انسانیت کی دھجیاں کب تک

یونہی ٹوٹا کریں گی مسجدوں پر بجلیاں کب تک
یونہی اٹھتا رہے گا قلبِ کعبہ سے دھواں کب تک

نہ جانے گی دنیا تابکے مایوس نظروں کو
نہ سمجھی جائیگی ہم بے زبانوں کی زباں کب تک

مٹائی جائے گی لفظوں سے کب تک پیاس ہونٹوں کی
دبائی جائے گی وعدوں سے بھوکوں کی فغاں کب تک

سنہری خواب دیکھیں گی کہاں تک خوش گماں نظریں
بسائے گا تصور یہ خیالی بستیاں کب تک

حقائق کو چھپائیں گے کہاں تک دلنشیں نعرے
صداقت پر رہیں گی بادلوں کی دھجیاں کب تک

لڑے گا تابکے انسان فطرت کے تقاضوں سے
لہو آنکھوں تک آپہنچا تو پھر قفلِ زباں کب تک

قدم بڑھتے ہیں آگے منزلیں گم ہو جاتی ہیں
چلے گا اس روش پر زندگی کا کارواں کب تک

بکھر کر راکھ ہو جائیں نہ جسم و جاں کی تعمیریں
دلوں کی آنچ پر سلگا کریں گی ہڈیاں کب تک

منافق روپ دھارے گا کہاں تک ظلم کا چہرہ
رہیں گے بندگانِ بت حرم کے پاسباں کب تک

اشارہ کرتی ہے طوفاں کا خاموشی ہواؤں کی
سکے گی کاغذی ڈھالوں سے بجلی کی سناں کب تک

دلوں کے بند اگر ٹوٹے تو اس طوفان کی زد پر
چلیں گی ضبطِ بے جا کی شکستہ کشتیاں کب تک

کسی دن آہی جائے گی شکستِ ضبط کی منزل
رہے بھی تو زباں والے رہیں گے بے زباں کب تک

یقیناً انقلاب آئے گا لیکن فکر اس کی ہے
کہ اس ردِّ عمل کی ابتدا ہوگی کہاں کب تک

فضائیں تو بدل جائیں گی لیکن مسئلہ یہ ہے
کہ پہنچے گا سرِ منزل ہمارا کارواں کب تک

نہ جانے کتنی بار آئی ہے تبدیلی زمانے میں
مگر سیدھی روش پر چل سکا نظمِ جہاں کب تک

کسے معلوم اب کی بار کیسا انقلاب آئے
خدا جانے رہے یہ دورِ باطل حکمراں کب تک

نہ جانے اب کی بار اپنے سفر میں کون رہبر ہو
رہے اس پر نہ جانے اعتبارِ کارواں کب تک

خداوند! دوراہے پر یقین و شک کی منزل کو
یونہی تکتا رہے گا دیدۂ حسرت مکاں کب تک

الٰہی مل سکے گا کاروانِ پا شکستہ کو
ترا خود منتخب کردہ امیرِ کارواں کب تک

جو قلب و ذہن کی مردہ رگوں میں خون دوڑا دے
نہ اٹھے گی لبِ کعبہ سے وہ صوت اذاں کب تک

ہے ضامن جس کی ہر جنبش شکستِ زعمِ باطل کی
رہے گا اس علَم کا منتظر عزمِ جواں کب تک

حق آئے گا مٹے گا کفر یہ ارشادِ باری ہے
یہ حکمِ غیر مبہم صیدِ اوہام و گماں کب تک

شہیدوں کا لہو تو رائیگاں جاتا نہیں یا رب
شہیدوں کا لہو محسوس ہوگا رائیگاں کب تک

یزیدی فوج میں تو شادیانے اب بھی بجتے ہیں
نہ ہوگی ختم آخر کربلا کی داستاں کب تک

لہو اب بھی ہے زخمِ گردنِ شبیرؑ سے جاری
سکوتِ عرش سے الجھے گی زہراؑ کی فغاں کب تک

مناسب ہو تو اے عدلِ مشیت اتنا بتلا دے
کہ مظلومی پہ اپنے لال کی روئے گی ماں کب تک

کسی دن موت کی ہچکی بھی آہی جائے گی شاہدؔ
کسی کی یاد میں آتی رہیں گی ہچکیاں کب تک

التجائے ظہور

نہ جانے مصلحتِ حسن ہے کہ اپنا قصور
فریبِ دل ہیں وہ جتنے نظر سے اتنی دور

نہ جانے حدِّ نظر پر خلا ہے یا جلوہ
پسِ حجابِ سرابِ نظر ہے یا کوئی نور

اگر خلا ہے تو دل کس کے انتظار میں ہے
اگر ہے جلوہ تو کیوں ہے نظر سے اتنی دور

وہ نور جلوہ ہے گر رحمتِ دو عالم کا
تو کیوں محیطِ دو عالم ہے ظلم کا دستور

زوالِ دیں پہ وہ کڑھتا تو ہوگا شام و سحر
فروغِ کفر سے ہوتا تو ہوگا دل رنجور

خبر تو ہوگی اسے ظلمتِ دو عالم کی
فضائے دہر کو وہ دیکھتا تو ہوگا ضرور

سنا تو ہوگا یہ کہتے غرض پرستوں کو
مٹا دو ان کو جو مانیں نہ مسلکِ جمہور

جو ہم کہیں وہی معنی حدیث و قرآں کے
جو ہم بتائیں وہی ہے حیات کا دستور

ہماری مہر نہیں جن پہ پھونک دو ان کو
وہ مسجدیں ہیں ہماری نگاہ کا ناسور

جو لب کشائی کی جرأت کریں وہ مجرم ہیں
لگاؤ کوڑے کرو قیدِ ظلم میں محصور

جلا دو ہوتی ہو جس گھر میں بھی عزائے حسینؑ
مٹا دو کہتے نہیں جو یزید کو مغفور

ہماری قوتِ بازو ہے عدل کا معیار
ہمارا حلقۂ خواہش ہے دینِ ربِّ غفور

ہمیں ہیں مفتیِ دیں بھی ہمیں مقنن بھی
ہماری آنکھ شریعت ہمارے لب دستور

وہ ایک دور تھا آیا بھی اور چلا بھی گیا
شعارِ آلِ پیمبر کا آج کیا مذکور

اور اس سے پہلے بھی کب ہم نے اس کو مانا تھا
نبی کی آل نے جاری کیا تھا جو منشور

امیرِ عصر سنا کہہ رہے ہیں کیا جمہور
حضور اب بھی جسارت ہے التجائے ظہور

کہیں نہ اب بھی کہ سرکار جلوہ فرمائیں
زمانہ اب بھی نہ سمجھے رسول کا دستور

سہیں یہ صبر شکن لافِ اہرمن کب تک
یونہی خموش رہے تا بہ کے دلِ رنجور

اٹھائیں تیغ، سسکتے رہیں کہ مر جائیں
غلام کیا کریں ایسے میں کوئی حکمِ حضور

خموش شاہدِ محزوں خموش تنگ شعور
جو ہے مشیتِ داور وہ جانتے ہیں حضور

تجھے یہ شیوۂ اہلِ وفا نہیں معلوم
کہ انتظارِ مسلسل ہے عشق کا دستور

ترا تو فرض یہ ہے نغمۂ محبت چھیڑ
بصد خلوص قصیدہ کر اپنا نذرِ حضور

امامِ عصر، ولیِ خدا، رسول کا نور
علیؑ کا نقشِ جلی، فاطمہؑ کے دل کا سرور

وہ جس کے لہجے میں گفتارِ مصطفےٰ کا جلال
وہ جس کے لفظوں میں قرآں کی آیتوں کا شعور

وہ جس کے دل میں دھڑکتا ہے کائنات کا دل
وہ جس کا تارِ نظر دیدۂ حیات کا نور

وہ جس کو دیتے ہیں آواز سقف و بامِ حرم
وہ جس کو ڈھونڈ رہی ہے اذانِ صبحِ ظہور

تلاش کرتی ہے پیشانیِ مسیح جسے
وہ جس کے قدموں کی آہٹ میں ضم ہے نغمۂ صور

سکونِ حسرتِ مظلوم، زخمِ سینۂ ظلم
وہ جس کی تیغ ہی مرہم ہے تیغ ہی ناسور

پکارتی ہے جسے ایک ماں کے دل کی کسک
بلا رہی ہیں جسے دشتِ کربلا کی قبور

وہ جس کے سائے سے بچ بچ کے چل رہی ہے اجل
سلام کرتا ہے جس کو حیات کا دستور

ظہورِ مثلِ بشر جس کا غیب مثلِ اللہ
میانِ واجب و ممکن وہ رشتۂ مستور

رخِ امامت و عصمت کی آخری تصویر
خدا کا راز، مزاجِ نبیؐ کا حسنِ شعور

علیؑ کی فکر، حسنؑ کی نظر، حسینؑ کا دل
خدا مزاج، ازل آشنا، ابد مامور

سلام تجھ پہ امامت کے نیرِ تاباں
درود تجھ پہ مشیت کے جلوۂ مستور

شمعِ آخر

عالم تو یہ کہ اپنی خبر تک گراں ہے مجھے
دنیا سمجھ رہی ہے ترا راز داں مجھے

دیکھا گیا ہے آج سرِ لامکاں مجھے
لے جائے گا یہ ذوقِ تجسس کہاں مجھے

جب تک نہ تھا سلیقۂ نظارۂ جمال
گذرا ہر ایک ذرے پہ ان کا گماں مجھے

اب جلوہ آشنا ہوئیں نظریں تو یہ غضب
ان کا تو کیا ملا نہ خود اپنا نشاں مجھے

پھر چشم و دل کو ہے اسی منزل کی جستجو
چھوڑا تھا ان کے نقشِ قدم نے جہاں مجھے

دہرا رہا ہوں ذہن میں ماضی کے واقعات
یاد آرہی ہے بھولی ہوئی داستاں مجھے

باطل کی ظلمتوں میں نظر آرہی ہے پھر
ضو پاش ایک شمعِ حقیقت نشاں مجھے

وہ شمع جس سے محفلِ ایماں نکھر گئی
کترا کے جس کے سائے سے ظلمت گذر گئی

یہ شمع ظلمتوں میں سہارا بنی رہی
تاریک شب میں صبح کا تارا بنی رہی

کمزور کشتیوں کو سنبھالا قدم قدم
طوفانِ بے کراں میں کنارا بنی رہی

سیلِ ستم کے جبرِ مسلسل کے باوجود
یہ شمع بے بسوں کا سہارا بنی رہی

نا امیدیوں میں کشمکشِ مرگ و زیست کی
حدِ نظر پہ آنکھ کا تارا بنی رہی

دل ٹوٹنے دیا نہ غمِ روزگار سے
کمزور کشتیوں کا سہارا بنی رہی

اک وقتِ خاص آیا تو خاموش ہو گئی
یعنی نگاہِ دہر سے روپوش ہو گئی

پھر آج ڈھونڈتی ہے اُسی شمع کو نگاہ
پھر ظلمتوں میں غرق ہے اہلِ طلب کی راہ

اتنے فریب کھائے دلِ سادہ لوح نے
ہونے لگا ریا پہ صداقت کا اشتباہ

ہے عادتاً زمانہ غلط بین و کج روش
یعنی گناہ بھی تو نہیں مقصدِ گناہ

بڑھتی ہی جا رہی ہے فضاؤں میں تیرگی
دنیا ہے تنگ اہلِ نظر پر خدا گواہ

ہو سامنے نگاہ کے کوئی تو کچھ کہیں
کوئی نظر نہ آئے تو ہوں کس سے داد خواہ

دنیا ہے اور کفر و ضلالت کی آندھیاں
عالم ہے اور سلسلۂ لغزش و گناہ

اے شمعِ آخرینِ امامت سنبھال لے
تیرے سوا نہیں کوئی اب گوشۂ پناہ

طوفانِ غم میں ڈوب چلا ہوں نکال لے
دم ٹوٹنے کو ہے مرے آقا سنبھال لے

آیا سکونِ زیست کی دنیا لئے ہوئے
تاریکیوں میں برقِ تجلی لئے ہوئے

مر مر کے کر رہا ہوں قیامت کا انتظار
اک وعدۂ تخفی کا سہارا لئے ہوئے

کن ولولوں سے آیا تھا بزمِ حبیب میں
لوٹا پھر ایک وعدۂ فردا لئے ہوئے

آپ اور اہتمامِ حجاباتِ نو بہ نو
میں اور اضطراب کی دنیا لئے ہوئے

صحرا ہے میں ہوں اور تمناؤں کا ہجوم
دنیا سے دور بیٹھا ہوں دنیا لئے ہوئے

ہے دم لبوں پہ وعدے کی ساعت قریب ہے
آثار کہہ رہے ہیں قیامت قریب ہے

اعتماد کا لہو

خداوندا وہ تیرے عدل تک پہنچیں کہاں ہو کر
جنہیں تیری زمیں نے ہیں ڈالا آسماں ہو کر

وہی تارے جو ابھرے تھے فلک پہ کہکشاں ہو کر
وہ جب بکھرے تو گلشن پر گرے برقِ تپاں ہو کر

گلوں میں ہار پہنائے تھے جو دستِ عقیدت نے
الجھ کر رہ گئے پائے طلب کی بیڑیاں ہو کر

سہارا دے کے جن کو نام رفعت پر چڑھایا تھا
سہارا دینے والوں پر گرے برقِ تپاں ہو کر

چمن کو چھوڑ کر صحرا میں گل بوٹے سجائے تھے
وہ گل بوٹے چبھے تلوؤں میں کانٹوں کی زباں ہو کر

نشیمن اپنا پھونکا تھا کہ گلشن میں اجالا ہو
بڑھا کچھ جس اتنا رہ گئے شعلے دھواں ہو کر

زباں کاٹی گئی چھیلے گئے لب اس جسارت پر
کہ کیوں محفل میں سچ بولے دلوں کے ترجماں ہو کر

نہ جانے کتنی آہیں جم گئیں لرزیدہ ہونٹوں پر
نہ جانے کتنے چھالے بہہ گئے اشکِ رواں ہو کر

شرافت رقص پر مجبور ہے ننگوں کی بستی میں
ہوائیں اڑ رہی ہیں جیب و دامن دھجیاں ہو کر

بڑا دھوکہ دیا راہِ طلب میں سادہ لوحی نے
کہ رہزن بن گئے رہبر شریکِ کارواں ہو کر

نشیمن کو قفس سمجھا قفس کو آشیاں ہم نے
نشیمن سے قفس میں آ گئے صیدِ گماں ہو کر

اور اب ماضی کے افسانے ہیں زنداں کی سلاخوں ہے
وطن کی یاد رگ رگ میں تپاں ہے زخمِ جاں ہو کر

خود اپنے گھر میں آج اس طرح استقبال ہوتا ہے
کوئی آ جائے جیسے بن بلائے میہماں ہو کر

جدھر دیکھو نگاہوں میں ترس ہے یا حقارت ہے
نئے کچھ زخم کھاتے ہیں گذرتے ہیں جہاں ہو کر

جہاں رہزن کو رہبر ظلم کو انصاف کہتے ہیں
وہاں جینے کی خواہش ہے صداقت کا نشاں ہو کر

کہاں جائیں، کریں کیا، کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا
تکا کرتے ہیں منہ ایک ایک کا عبرت بیاں ہو کر

بس اک تنکا ہے اس طوفان بے پایاں کی موجوں میں
جو کشتی کو سہارا دے رہا ہے بادباں ہو کر

سنا ہے آخرِ شب مہرِ عالم تاب نکلے گا
فضائے دہر سے اڑ جائیگی ظلمت دھواں ہو کر

کمالِ بت کدہ تمہید ہے تطہیرِ کعبہ کی
دوا بن جائے گا خود درد اک دن زخمِ جاں ہو کر

اٹھے گا پردۂ شب صبحِ تازہ مسکرائے گی
کوئی آوازِ پا ابھرے گی آوازِ اذاں ہو کر

مناسب ہو تو آ جاؤ علاجِ سوزِ جاں ہو کر
کہ اب تو ہر نفس لو دے اٹھا برقِ تپاں ہو کر

تمہیں پیشانیٔ عیسیٰ کے سجدے یاد کرتے ہیں
دلِ کعبہ صدا دیتا ہے آوازِ اذاں ہو کر

بلاتی ہیں تمہیں آقا وہ قدریں دینِ احمد کی
تڑپتی ہیں جو پنجے میں ہوس کے نیم جاں ہو کر

تمہیں قرآں کی وہ آیتیں آواز دیتی ہیں
سیاست جن کے معنی پر گری سنگِ گراں ہو کر

صدائیں آ رہی ہیں کربلا کے ذرے ذرے سے
کہ کیا رہ جائے گا خونِ شہیداں رائیگاں ہو کر

تمہاری منتظر ہیں ایک دکھیا ماں کی فریادیں
جو ہیں جذبِ دلِ کونین درد بے کراں ہو کر

سنی تو ہوگی آقا وہ صدائے خطبۂ زینبؑ
جو اب تک گونجتی ہے کربلا کی داستاں ہو کر

وہ آنسو دیدۂ عابدؑ کے ہوں گے دامنِ دل پر
جو برسوں حجرۂ غم سے بہے نہرِ رواں ہو کر

یقیناً ذوالفقارِ حیدریؑ بھی مضطرب ہو گی
کہا کرتی تو ہو گی خون یہ دل حسرت بجاں ہو کر

کہ آقا کی اجازت ہو تو دل کے حوصلے نکلیں
گروں باطل پہ برقِ انتقامِ کشتگاں ہو کر

ہمارے بھی عریضے پہنچے ہوں گے پائے اقدس تک
ہمارے کلمے گراں مظلومیت کے ترجماں ہو کر

اب آؤ یا نہ آؤ یہ تمہاری مصلحت جانے
ہمیں کہنا تھا جو کچھ کہہ گئے دل کی زباں ہو کر

تمنا ہے کہ جب دہرائی جائے کربلا شاہد
تو نکلوں میں بھی آقا کے جلو میں مدح خواں ہو کر

اثباتِ وجود

حجاب و جلوہ میں اک توازن ازل سے یوں رونما رہا ہے
کہ آئینے کا لطیف جوہر نظر کی زد سے بچا رہا ہے

ہر ایک منظر کی حدِ آخر پہ رقص کرتی ہے روحِ جلوہ
نگاہ و منظر کی حد میں لیکن مسلسل اِک فاصلہ رہا ہے

کوئی دکھلائے اگر ہو ممکن نظر کی صورت نظر کا نقشہ
کوئی بتلائے نظر نہیں ہے تو کون جلوے دکھا رہا ہے

وہ سنگِ بنیاد جس پہ قائم جدارِ کاشانہ کی گئی ہو
بہ قدرِ مضبوطیِ عمارت زمیں کی تہ میں دبا رہا ہے

بقولِ قرآں ہیں اب بھی زندہ مسیحؑ و الیاسؑ و خضرؑ لیکن
برائے دیدار امرِ ربّی حجابِ حائل بنا رہا ہے

نفس کی بنیادِ زندگی ہے نہ آسکا حلقۂ نظر میں
اگرچہ محسوس کر رہے ہیں یہ آ رہا ہے، وہ جا رہا ہے

کسی سے پوچھو کہ روح کیا ہے تو شرحِ صورت نہ کر سکے گا
وجود ہے روح کا یقیناً یہ آج تک کلیہ رہا ہے

کوئی یہ اہلِ چمن سے پوچھے صبا کی تصویر کس نے کھینچی
اگرچہ ہر گل بقدرِ جنبش رہینِ دستِ صبا رہا ہے

غرض کہ محدود و مختصر ہے ازل سے انساں کی چشمِ ظاہر
قصورِ چشم و نظر کا عالم حجابِ غیبت بنا رہا ہے

خود اپنی کوتاہیوں پہ قائم دلیلِ نفیِ وجود کرنا
یہ شانِ اہلِ خبر نہیں ہے طریقِ اہلِ خطا رہا ہے

ہم اہلِ دل ہیں ہمیں یقیں ہے کہ نبضِ کونین کی دھمک میں
کوئی ہے در پردہ کارفرما جو نوں کو گردش میں لا رہا ہے

ضرور ہے کوئی راہبر بھی طلب کی تاریک وادیوں میں
جو رہروؤں کو قدم قدم پر غلط روی سے بچا رہا ہے

کسی مسافر کا کیا اجارہ وہ سامنے آئے یا نہ آئے
یہ مصلحت میرِ کارواں کی جو کارواں کو چلا رہا ہے

یہ آرزو بھی مگر ہے فطری کہ اک نظر اس کو دیکھ لیتے
جو ابتدائے سفر سے اب تک دلوں کی دھڑکن بنا رہا ہے

لبوں پہ پاسِ ادب کی بندش نظر میں ذوقِ بقا کی شدت
طلب کی اس کشمکش کی زد پر غریب دل ڈگمگا رہا ہے

یہ جان کر بھی کہ پردہ اٹھنا ہے منحصر اسی کی مصلحت پر
تسلیاں دل کو دے رہا ہوں وہ بس اب آیا اب آ رہا ہے

وہ لوٹ آنے کا ایک وعدہ جو چلتے چلتے کیا تھا اس نے
خروشِ طوفاں میں ہر قدم پر طلب کی ہمت بڑھا رہا ہے

وہ آئے گا اے دلِ پریشاں وہ آئے گا اے نگاہِ مضطر
وہ دیکھ ماہِ تمام شعباں نویدِ خورشید لا رہا ہے

فضا میں تاریکیاں رچی ہیں افق پہ طوفاں سا چھا رہا ہے
نقاب اٹھا نورِ عصرِ حاضر کہ عصرِ حاضر بلا رہا ہے

کمالِ باطل تھی شرطِ جلوہ سو وہ بھی منزل قریب پہنچی
نگاہ کے آخری افق تک سیاہ بادل سا چھا رہا ہے

اب اور کیا ہوگی حدِ ظلمت کہ خود وجودِ نظر ہے مبہم
ہزار پردے ہیں آگہی پر غبار سا دل پہ چھا رہا ہے

جہانِ غفلت میں کون سوچے فضائے تیرہ میں کون دیکھے
کہ دستِ ابلیس رفتہ رفتہ چراغِ انجم بجھا رہا ہے

کسی کو احساس تک نہیں ہے کہ فکر کا انحطاطِ پیہم
مقامِ انساں کو کس بلندی سے کیسی پستی پہ لا رہا ہے

وجودِ روزِ حساب جیسے تصوراتی سی کوئی شے ہو
کچھ ایسے تمیزِ خیر و شر کو زمانہ دل سے بھلا رہا ہے

دلیلِ قوت ہے جورِ پیہم ثبوتِ طاقت ہے جبرِ بے جا
جو ظلم سہتا رہے وہ مجرم وہ حق پہ جو ظلم ڈھا رہا ہے

حقیقتیں بن گئیں فسانہ شرر نے تارے کا روپ دھارا
حرم کی تصویر کھینچتا ہوں صنم کدہ مسکرا رہا ہے

نہ جانے کب آفتاب نکلے نہ جانے کب صبح مسکرائے
شبِ مسلسل کا دور کب سے مذاقِ دل کا اڑا رہا ہے

درودرِ رہبر کی منتظر ہے کہ فیصلہ کن قدم اٹھائے
یقین و تشکیک کا دوراہا نگاہ کو ڈگمگا رہا ہے

سنا ہے جب سے کہ قیدِ ہستی حجاب ہے بہرِ دیدِ جلوہ
شکستِ امیدِ چارہ گر پہ مریضِ غم مسکرا رہا ہے

حریمِ غیبت میں چھپنے والے پھر ایک آوازِ جرأت افزا
حدِ تعین تک آچکا دل مگر یہاں ڈگمگا رہا ہے

جلوۂ آخر

دل میں رہتے بستے ہیں اور نظر سے پردہ ہے
کیا کہیں اسے مولا غیب ہے کہ جلوہ ہے

ان کو واپس آنا ہے اور یہ ان کا وعدہ ہے
جن کے گھر ہمیشہ سے سچ ہی بولا جاتا ہے

ایک اک عریضے میں پوری پوری دنیا ہے
وہ خدا نہیں لیکن سب کی بات سنتا ہے

رعبِ سروری بھی ہے ذوقِ ہم کلامی بھی
لب تو خاموش رہتے ہیں دل کلام کرتا ہے

زندگی کی راہوں میں سامنے نہ آکر بھی
ایک ایک لغزش پر اس نے مجھ کو ٹوکا ہے

صرف اس کی غیبت پر کیسے اس کو جھٹلادوں
اپنی روح کو میں نے کب نظر سے دیکھا ہے

اب نگاہ ترسے گی جلوہ پیمبر کو
"کلنا محمدؐ" کا آخری یہ جلوہ ہے

جیسے پھول میں خوشبو جیسے نور آنکھوں میں
وہ نظر نہیں آتا اور مجھی میں رہتا ہے

جب وہ پاس ہوتا ہے عالمِ تصور میں
روح سجدے کرتی ہے دل دعائیں دیتا ہے

نائبِ نبی چننا کام اگر ہے امت کا
خود ہی منتخب کر لو انتظار کس کا ہے

جو نہ کہہ سکے شاہدؔ اس کی بات کیا کرنا
ہاں جو کچھ کہا اس کا حرف حرف سچا ہے

امرِ کردگار

ہر غمِ نو کا مداوا اک امیدِ تازہ کار
زندگی کیا ہے مسلسل زندگی کا انتظار

آمد و رفتِ نفس ہے آمد و رفتِ حیات
سانس کا اک رخ اجل اک زیست کا آئینہ دار

زندگی کا لمحہ لمحہ مرگِ تازہ کا نقیب
موت کے ہر رخ میں تفسیرِ حیاتِ استوار

بہ چشم و جاں خونِ تمنا بر دل و حسرت بدوش
بہ چشم و دل امید در آغوش و حیرت در کنار

ہر قدم اک حسرتِ ناکام کی میت لئے
ہر نفس اک آرزوئے تازہ کا تخلیق کار

مختصر یہ ہے کہ امیدوں کی تعمیر و شکست
ہے مدارِ زیستِ بنیادِ نظامِ روزگار

باغ لٹ جائے نہ ہو دورِ خزاں گر عارضی
پھول تھک جائیں رہے گر مستقل دورِ بہار

راہ رو سو جائیں گر ممکن نہ ہو ختمِ سفر
راستے کھو جائیں گر منزل نہ ہو زیرِ غبار

زندگی کو ہر قدم پر اک سہارا چاہیئے
ایک دلکش عالمِ تخیل، اک شہرِ نگار

ایک رنگیں خواب اک مہکی ہوئی وادیِ گل
اک تصور، ایک ان دیکھے گلستاں کی بہار

محو کر دیتا ہے دل سے ماضیِ بے رنگ کو
آنے والے دور کی رنگینیوں کا انتظار

تیرگیِ حال کو ٹھکرا کے بڑھ جاتے ہیں لوگ
ہو گر اک مستقبلِ روشن کا دل کو اعتبار

لطف یہ انسان مستقبل سے واقف بھی نہیں
چل رہا ہے دہر کا اندھے یقیں پر کاروبار

غیب پر ایماں ہے گویا مرکزِ نظمِ حیات
ہم یہی کہتے ہیں دنیا پر نہ جانے کیوں ہے بار

ہاں مگر غیبِ مسلسل کے کوئی معنی نہیں
گر سرِ منزل نہ ہو تو [illegible]

غیب ثابت ہے تو کوئی غیب کا حاکم بھی ہے
اب امیرِ عصر اسے کہیے کہ امرِ کردگار

اے امیرِ عصرِ حاضر، اے امینِ ذوالفقار
آ کہ تیرا منتظر ہے کربلا کا ریگ زار

تیری جانب دیکھتا ہے ایک ماں کے دل کا زخم
تجھ کو دیتا ہے صدا اک خونِ ناحق بار بار

کروٹیں لیتا ہے رہ رہ کر شہیدوں کا لہو
موجِ دریا مضطرب ہے ریگِ صحرا بے قرار

ایک اک ذرے کے لب پر ہے خروشِ انتقام
ایک اک لمحہ لئے ہے دوش پر صدیوں کا بار

اور پھر کیا کربلا ہی تک ہے یہ کربِ تمام
اب تو جیسے دہر کی ہر شے ہے وقفِ انتظار

رہروؤں کو اک مناسب راہبر کی جستجو
رہبرِ منزل رسی کی کاوشوں میں صرفِ کار

منزلوں کو نقطۂ ختمِ مسافت کی تلاش
نقطۂ ختمِ سفر کو قافلے کا انتظار

گردشِ کون و مکاں کو اپنے محور کی طلب
تیرگیِ شب کو فکرِ صبحِ نو سے انتشار

مختصر یہ ہے کہ ہر دل میں ہے تیری آرزو
الغرض ہر چشمِ بینا کو ہے تیرا انتظار

رات دن گرداں ہیں تیری جستجو میں مہر و ماہ
مستقل گردش میں ہیں ارض و سما لیل و نہار

کاش شاہد کو بھی مل جائے ترے جلوے کی بھیک
کاش تیرے کفش برداروں میں ہو وہ بھی شمار

علیؑ علیؑ

بلائیں ٹلتی ہیں بے شک جو یا علی کہیے
مگر خلوص سے کہیے اگر کبھی کہیے

بنا گیا ہے یہ معیار قصہ آدم
جو علم رکھتا ہو بس اسکو آدمی کہیے

علیؑ سبھی کے ہیں مولیٰ اگر بقول نبیؐ
تو ہر زمانے کے سردار ہیں علی کہیے

وہی تو کہتے ہیں ہم خم میں جو نبیؐ نے کہا
پھر آپ کیوں نہیں کہتے ہیں آپ بھی کہیے

علیؑ کے ذکر کو ذکرِ خدا سمجھتا ہوں
اب اس کو دین سمجھئے کہ کافری کہیے

علیؑ سے بغض خدا ورسول سے ہے عناد
علیؑ سے بغض کو اقدام خودکشی کہیے

اسی میں معنیِ مولیٰ کا بھی تعین ہے
سمجھ کے سوچ کے بخِ لکَ علی کہیے

وہ رات تھی شب ہجرت یہ بات کی جبریل
یہ دوپہر ہے کہانی غدیر کی کہیے

علیؑ سے کتنی محبت ہے چہرہ کہہ دے گا
بس ایک بار مرے ساتھ یا علی کہیے

علیؑ سے عشق بھی دشمن سے بھی علیؑ کے لگاؤ
اب اس کو دوستی کہیے کہ دشمنی کہیے

مطالبہ تو نہیں صرف اک گذارش ہے
غدیر میں جو کہا تھا وہ آج بھی کہیے

تاثرات

تاثرات

تاثرات